استحکام پاکستان - سیرت طیّبہ کی روشنی میں

ڈاکٹر سیّد ازکیا ہاشمی ☆

کسی مملکت کی ترقی و استحکام کا دارومدار اس ملک کے نظریہ سے وابستگی ، اس کی معاشرتی، معاشی، سیاسی، اور دفاعی صورت حال پر ہوتا ہے ، اگر وہ مملکت اپنے بنیادی نظریہ اور قومی نصب العین پر قائم ہے ، اندرونی اور بیرونی خلفشار سے محفوظ ہے ، معاشی ترقی کی راہ پر گامزن ہے ، اس میں عدل و انصاف کا دور دورہ ہے ، عوام اور حکومت کے درمیان محبت اور اعتماد کا رشتہ قائم ہے اور وہاں کے باشندوں کی مادی اور روحانی ضرورتوں کی تکمیل کا پورا انتظام موجود ہے تو وہ مملکت ٹھوس اور مضبوط بنیادوں پر قائم ہے ، اس کی سالمیت اور استحکام کو کوئی خطرہ نہیں اور وہ اپنے قومی نصب العین سے وابستہ ہوکر ترقی و فلاح کی شاہراہ پر گامزن ہوتی ہے اور پھلتی پھولتی ہے - اگر ہم اپنے ملک کے حالات کا اس معیار کی روشنی میں جائزہ لیں تو صورت حال اس کے بالکل برعکس نظر آتی ہے ، درحقیقت ہم ملک کے نظریہ اور قومی نصب العین سے الگ ہوکر اقتصادی بدحالی، سیاسی بدنظمی، داخلی و خارجی عدم استحکام اور اخلاقی فساد کا شکار ہو چکے ہیں اور ہم نے ملک کی بنیادوں کو کمزور کر کے اس کی سلامتی کو خطرات سے دوچار کر دیا ہے - جگہ جگہ لسانی، نسلی اور علاقائی تعصبات کی گرم بازاری ہے اور اس کی بنیاد پر حقوق کی جنگ برپا ہے اور اس اجتماعی گناہ کے وبال میں ملک پر بدامنی ، خونریزی افراتفری کا عذاب مسلط ہے، دہشت گردی روزمرہ کا معمول بن چکی ہے اور امن عامہ کی ابتر

☆ اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اسلامیات ، گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج، مانسہرہ

صورت حال نے پوری قوم کا امن و سکون غارت کر رکھا ہے - معاشی بدحالی کی وجہ سے ملک کا بچہ بچہ قرضوں کی وجہ سے زیر بار ہے ، لاقانونیت اور سیاسی بد نظمی کی وجہ سے معاشی ترقی کا عمل رک چکا ہے ، قوم مختلف گروہوں میں بٹی ہوئی ہے، اتحاد و یکجہتی مفقود ہے جب کہ اسلام دشمن طاقتیں مسلمانوں کے باہمی اختلافات کو نمایاں کرنے اور انہیں باہم لڑانے میں مصروف ہیں، اخلاقی قدروں کے زوال نے معاشرے کی بنیادوں کو کھوکھلا کر کے رکھ دیا ہے - بدعنوانی، بددیانتی، رشوت ستانی، ظلم و ناانصافی نے ملک کو تباہی و بربادی کے دہانے پر لاکھڑا کر دیا ہے -

حقیقت یہ ہے کہ خود ہم نے ملک کو اس صورت حال تک پہنچایا ہے اور یہ بربادی خود ہماری غفلتوں اور کوتاہیوں کا نتیجہ ہے اور ہم قرآن حکیم کے الفاظ میں " یخربون بیوتھم بایدیھم " (۱) کا مصداق بنے ہوئے ہیں -

ع اے باد صبا ایں ہمہ آوردہ تست

تاریخ شاہد ہے کہ جب کوئی قوم سرکشی اور بغاوت پر اتر آتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کی ناشکری کر کے اس سے کئے گئے وعدوں کو توڑ دیتی ہے تو اس کا انجام ذلت و ادبار، معاشی اور معاشرتی ابتری کی صورت میں سامنے آتا ہے - قرآن حکیم میں اس حقیقت کو ایک بستی کی مثال کے ذریعے ان الفاظ میں واضح فرمایا ہے -

" ضرب الله مثلا قرية كانت امنة مطمنة يايتهارزقها رغدا من كل مكان فكفرت بانعم الله فاذاتهاالله لباس الجوع والخوف بماكانوا يصنعون"(۲)_

(اللہ تعالیٰ ایک ایسی بستی کی مثال بیان فرماتا ہے جو بے خوف مطمئن تھی، اس کی روزی ہر طرف سے بافراغت چلی آ رہی تھی پھر اس نے

اللہ کی ناشکری کی تو اللہ نے ان کے برے کاموں کے سبب فاقہ اور خوف کا لباس اوڑھا دیا)

اس آیت کی روشنی میں اگر ہم اپنے ملک کی ابتر صورت حال کا جائزہ لیں تو یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ہم دراصل مملکت کے نظریہ کو فراموش کر کے اور نعمت آزادی کی ناشکری کر کے اس وقت عذاب الٰہی کی زد میں آئے ہوئے ہیں - ہمیں ہرگز نہ بھولنا چاہیئے کہ یہ قطعہ ارضی جہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے لئے ایک گراں قدر عطیہ ہے وہاں پوری قوم کے لئے امتحان بھی ہے -

"ثم جعلنکم خلئف فی الارض من بعد هم لتنظر کیف تعملون" (۳)

(پھر ہم نے تمہیں ان کے بعد زمین کا وارث بنایا تاکہ ہم دیکھیں تمہارا طرز عمل کیا ہے ؟)

ملک کے عدم استحکام کا بنیادی سبب :

ہمارے خیال میں اس ملک کے عدم استحکام کا اصلی اور بنیادی سبب اس نظریہ سے انحراف ہے جس کی بنیاد پر یہ مملکت وجود میں آئی - دیگر اسباب مثلاً سیاسی بدنظمی، اقتصادی بدحالی، افتراق و انتشار دراصل اسی نظریہ سے غفلت کے عواقب و نتائج ہیں اور ایک فاضل کے الفاظ میں اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے "کسی درخت کی جڑ سوکھ جائے اور اسے پانی نہ دیا جائے ، اس کے نتیجے میں وہ لازماً مرجھا جائے گا ، اس کے پتے جھڑ جائیں گے ، شاخیں سوکھ جائیں گی اور کچھ عرصے بعد اس میں ایک سوکھے تنے کے سوا کچھ اور باقی نہ رہے گا" - بعینہ یہی صورت حال پاکستان کو درپیش ہے-

پورے عالم اسلام میں یہ امتیاز صرف پاکستان کو حاصل ہے کہ وہ ریاست مدینہ کی طرح محض اسلام کے نام پر وجود میں آیا - تمام اسلامی ممالک اپنی جغرافیائی حدود، زبان اور نسل وغیرہ کی بنیاد پر قائم ہوئے - ان میں سے کوئی ملک بھی ایسا نہیں جس کی قومیت کا

دارومدار صرف اور صرف اسلام ہو- برصغیر ہندو پاک کے مسلمانوں نے دین کی بنیاد پر اور مسلم قومیت کی بنیاد پر مملکت کے قیام کا نعرہ ایسے دور میں بلند کیا جب پوری دنیا میں ہر طرف وطنی قومیت کا چرچا تھا، اور ان کی ایمانی حرارت ، اتحاد ، جوش و جذبے اور انتھک محنت سے اس کی تشکیل عمل میں آئی - یہ نظریہ جہاں ملک کے قیام کا سبب بنا وہاں ملک کی ترقی واستحکام بھی اسی نظریہ سے وابستہ تھی- اس نظریہ سے وابستگی جوں جوں کمزور پڑتی گئی، مسلم قومیت کا تصور دھندلا ہونے لگا، علاقائی، لسانی اور گروہی تعصبات ابھرنے لگے جس سے ملکی استحکام کی بنیادیں کمزور ہوتی گئیں اور ہماری مجرمانہ غفلت کے نتیجہ میں ملک کا نصف حصہ ہم سے جدا ہوگیا-

ملکی استحکام کا بنیادی تقاضا - شریعت اسلامی کا نفاذ :

شریعت اسلامی کا نفاذ اس ملک کی حیات و بقاء کے لئے اتنا ہی ضروری ہے جتنا کسی جسم کے زندہ رہنے کے لئے اس میں روح کا وجود ضروری ہوتا ہے - اس لئے کہ اس کا مقصد وجود ہی یہ تھا کہ ایک آزاد خطے میں مسلمان اپنے دین کو عملاً نافذ کر کے پوری انسانیت کے سامنے ایک نمونہ پیش کریں گے - انسانوں کے لئے اگر کوئی دائمی، ابدی ، مثالی، معیاری، حقیقی اور فطری ، تمام زمان و مکاں کے لئے ہمہ گیر اور قابل عمل نظام اگر کوئی ہو سکتا ہے تو وہ نظام شریعت ہے جس میں دین و دنیا ، جسم و روح ، معاش و معاد کا لحاظ اور دنیوی و اخروی صلاح و فلاح اور ترقی و نجات کی ضمانت و بشارت موجود ہے ، اس کا نفاذ اس ملک کی ضرورت بھی ہے اور مسلمانوں کا اجتماعی فریضہ بھی اور ملک کی سالمیت اور بقاء کا دارومدار بھی اسی پر ہے - ایک اسلامی ریاست میں جس کی بنیاد ہی اسلامی نظریہ پر ہے ، سیکولر نظریات کی ترویج، نظام شریعت سے انحراف اور تہذیب مغرب کی اندھا دھند تقلید اس ملک اور معاشرہ کے تحفظ ، بقاء و ارتقاء کی قطعاً ضامن نہیں ہوسکتی - تاریخ شاہد ہے کہ جس قوم یا گروہ نے خود ساختہ نظاموں کے ذریعے زندگی کی گاڑی چلانے کی کوشش کی، اس میں ناکام ہوئے -

نفاذ شریعت کے بلند مقصد کے حصول کے لئے نہ صرف حکومت کو بلکہ تمام طبقات کو ٹھوس بنیادوں پر علمی اور عملی کام کرنا ہوگا- یہ مقصد محض (Lip Service) سے حاصل نہیں ہو سکتا اس کے لئے ہر طبقہ پر جداگانہ نوعیت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے - بالخصوص حکمران طبقہ اقتدار و حکومت حاصل کرنے کے لئے اسلام کو بطور نعرہ استعمال کرنے کے بجائے اس کے نفاذ کا عملی اقدام کرے ، دینی اور مذہبی جماعتیں اس مقصد کے حصول کے لئے حکومت اور اقتدار کی حریف بننے کے بجائے کردار سازی کی طرف توجہ کریں، حکمران طبقہ بھی اسی معاشرے کا حصہ ہے ، افراد کی اصلاح سے معاشرہ خود بخود سدھرے گا، صالح، باکردار، ملک وقوم اور اسلام کی محبت سے سرشار قیادت اسی معاشرے سے منتخب ہو کر سامنے آئے گی- ہمارے دینی اکابرین نے ہر دور میں اسلام کے غلبہ اور ترویج شریعت کے لئے برسر اقتدار طبقہ کو بالخصوص اپنی توجہ کا مرکز بنایا اور حکومت و اقتدار ، جاہ و منصب سے بے نیاز ہوکر دین کی سربلندی کے لئے کام کیا - حضرت مجددؒ کا طریق کار اسی نوعیت کا تھا، وہ اگر اقتدار چاہتے تو اس کا حصول ان کے لئے چنداں مشکل نہ تھا، امراء دربار کی اچھی خاصی اکثریت ان کی معتقد تھی، مگر اقتدار سے الگ رہ کر احیاء اسلام اور ترویج شریعت کے لئے جو خدمات انھوں نے سرانجام دیں وہ تاریخ کے طالب علم سے مخفی نہیں -

دینی جماعتوں کو کردار سازی کے ساتھ ساتھ ٹھوس علمی بنیادوں پر کام کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ ملک و ملت کو درپیش مسائل کا قرآن و سنت کی روشنی میں حل پیش کر سکیں اور نفاذ شریعت کی منصوبہ بندی کر سکیں -

عوام پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی انفرادی زندگی کے دائرہ میں اسلام کی پیروی کریں اور اپنے اخلاق و معاملات اور معاشرت کو اسلامی اصولوں کے تابع بنائیں -

مملکت کے استحکام کی صورتیں :

مختلف شعبوں میں ہمہ جہت ترقی بالواسطہ طور پر ملک کی ترقی اور استحکام کا ذریعہ بنتی ہے ، معیشت ، معاشرت اور سیاست وغیرہ شعبوں میں ترقی سے ملک مستحکم ہوتا ہے اور ان شعبوں کی بدحالی ملک کو تباہی سے دوچار کر دیتی ہے - اسلام چونکہ ایک مکمل نظام حیات ہے جو دنیوی و اخروی فلاح ، مادی اور روحانی ترقی اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے ، اس لئے وہ مذکورہ شعبوں کی ترقی کو دین کا ایک اہم مقصد قرار دے کر مملکت کے استحکام میں حصہ لیتا ہے - اس کی تفصیلات مختلف شعبوں کے حوالے سے حسب ذیل ہیں -

۱- معاشرتی استحکام اور سیرت طیبہ کی روشنی میں اس کی بنیادیں :

کوئی بھی مملکت اس وقت تک ثبات و استحکام حاصل نہیں کر سکتی جب تک اس کا معاشرہ ظلم ، ناانصافی ، خودغرضی اور مفادپرستی، تعصبات و مکروہات، انتشار و افتراق سے پاک نہ ہو، معاشرے کو اگر گھن لگ چکا ہو، بداخلاقی و بے راہ روی عام ہو، امانت و دیانت کا فقدان ہو، اخلاقی جرائم و مفاسد معمولات حیات بن چکے ہوں تو نہ تو مملکت مستحکم ہو سکتی ہے اور نہ قوم فلاح و بہبود کے راستے پر گامزن ہو سکتی ہے ، اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جو معاشرتی تعلقات و روابط کے صحیح، منصفانہ اور پائیدار اصول و حدود مقرر کرتا ہے اور ان کی رعایت ایسی فضا پیدا کرتی ہے جس میں اتحاد و یکجہتی ، اخوت و محبت، ہمدردی و ایثار کو فروغ حاصل ہوتا ہے - ملکی حالات کے تناظر میں معاشرتی استحکام درج ذیل بنیادوں کا تقاضا کرتا ہے -

(الف)- اتحاد و یکجہتی کا فروغ :

ملک و ملت کے حقیقی استحکام کی بنیاد اتحاد و یکجہتی ہے ، قرآن حکیم میں اسے عظیم نعمت قرار دیا گیا ہے(۴)- اس کی نظر میں انبیاء کی بعثت کا مقصد ہی اختلافات کا خاتمہ ہے(۵) - اس کے نزدیک تفرقہ بازی شرک کے مترادف ہے اور اختلافات و تنازعات

ضعف و کمزوری اور عذاب خداوندی کا سبب ہیں[٦] - وہ اتحاد و محبت کے راستے میں حائل ان رکاوٹوں کی نشاندہی کرتا ہے جو نفرت و کدورت اور بغض و عداوت پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں- مثلا تمسخر و استہزاء ، طعنہ زنی، برے القاب سے پکارنا، بدگمانی، تجسس اور غیبت وغیرہ[٧] -

آنحضرت ﷺ نے تمام مومنین کو " جسد واحد " سے تشبیہ دی ہے[٨] اور انہیں ایک دوسرے کے لئے "بنیان مرصوص" (سیسہ پلائی ہوئی دیوار) قرار دیا ہے[٩] - آپ نے انتشار و افتراق پیدا کرنے والوں کو قتل تک کرنے کا حکم دیا ہے - ارشاد نبوی ہے : " من اراد ان یفرق امرهذه الامة وهی جمیع فاضربوه بالسیف کائنا ما کان "[١٠] (جو کوئی اس امت کے بندھے ہوئے رشتے کو پارہ پارہ کرنے کا ارادہ کرے اس کی تلوار سے خبر لو خواہ وہ کوئی ہو) -

اسلام دشمن طاقتیں آج مسلمانوں میں نسلی، لسانی اور گروہی امتیازات اجاگر کر کے ، نظریاتی اختلافات کو ہوا دے کر اور فرقہ وارانہ اختلافات کو بھڑکا کر ہماری صفوں میں انتشار پیدا کرنے کے لئے اپنی ساری توانائیاں صرف کر رہی ہیں - ہم آج امت واحدہ کا مظاہرہ کر کے ہی دشمنان اسلام کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور اپنی بقاء و ارتقاء کی منازل طے کر سکتے ہیں -

اسلامی تاریخ میں ریاست مدینہ کی مثال انتہائی روشن ہے جہاں حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری سے قبل اوس و خزرج کے قبائل ایک دوسرے کے خون کے پیاسے اور باہم اختلافات و تنازعات کا شکار تھے[١١] - عربوں کی تاریخ گواہ ہے کہ وہ اپنی پوری تاریخ میں ایک چھوٹی سی سلطنت بھی قائم نہ کر سکے تھے ، ہمیشہ سے متحارب قبائلی نظام میں منتشر اور مفلوک الحال تھے ، اگر وہ آپس میں اپنے اپنے حقوق کی خاطر اسی طرح برسرپیکار رہتے تو تباہ و برباد ہو جاتے مگر جب اسلام کو قبول کر کے اپنے صدیوں پرانے تنازعات بھلا دیئے، جاہلی تعصبات ختم کر دیئے تو ان کو وہ عروج حاصل ہوا کہ دنیا انگشت بدنداں رہ گئی اور چند ہی

سالوں میں اس دور کی سپرپاورز روم اور فارس کو اسلامی اقتدار کے زیر نگیں لے آئے - یہ کامیابیاں دراصل تاریخ، حالات اور اسباب کا منطقی نتیجہ نہ تھیں بلکہ یہ اس اخوت اور اتحاد کا ثمرہ تھا جو حضور کے صدقے انہیں عطا ہوا- خود مملکت پاکستان کا قیام بھی اتحاد و اتفاق کی بدولت معرض وجود میں آیا اور اس کا استحکام بھی اسی جذبے کا مرہون منت ہے -

اس وقت اتحاد و یکجہتی کے راستے میں دو بڑی رکاوٹیں حائل ہیں جن میں سے ایک قومیت پرستی ہے اور دوسری مذہبی تفرقہ بازی -

قومیت پرستی: خاندان ، قوم ، قبیلے اور علاقے کی محبت جب تعصب کی شکل اختیار کر لے تو وہ ملک اور معاشرے کے لئے سخت مہلک ثابت ہوتی ہے - یہ اندھی محبت افراد قوم میں حق و انصاف کے سوال کو نظرانداز کر کے ہر حال میں اپنی قوم کی حمایت پر آمادہ کرتی ہے - قرآن حکیم میں اسے "حمية الجاهلية" کا نام دیا گیا ہے - یہود و منافقین کی سازش کے نتیجہ میں ایسی ہی صورت حال ایک موقع پر عہد نبوی میں پیش آئی جب ایک مہاجر اور انصاری کے درمیان کسی مسئلہ پر تکرار ہوئی اور انھوں نے "یا معشر الانصار" اور "یا معشر المهاجرین" کہہ کر اپنے ساتھیوں کو پکارا تو آپ نے بڑی سختی کے ساتھ یہ کہہ کر اس فتنہ کو کچل دیا - "مابال دعوی الجاهلية "[12] (یہ کیا جاہلیت کی پکار ہے ؟) آپ نے قوم کے ظلم کی تائید و حمایت کو "عصبیت" سے تعبیر کیا- فرمایا : "ليس منا من مات على العصبية- ليس منا من دعا الى العصبية ، ليس منا من قاتل على العصبية "[13] - (جس نے عصبیت پر جان دی وہ ہم میں سے نہیں ، جس نے عصبیت کی طرف بلایا وہ ہم میں سے نہیں، جس نے عصبیت پر جنگ کی وہ ہم میں سے نہیں)-

قومیت پرستی کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی عصبیت مسلمانوں کے اجتماعی وجود کے لئے ہمیشہ مہلک ثابت ہوئی، خلافت عثمانیہ اور مشرقی پاکستان کا سقوط انہی تعصبات کا نتیجہ ہے- اس سے انکار نہیں کہ بعض طبقوں اور جماعتوں کے حقوق کو نظر انداز کرنے اور ناانصافی کی وجہ سے ان میں مظلومیت کا احساس ابھرتا ہے اور قومی و علاقائی عصبیتوں کو تقویت ملتی

ہے ، مگر اس کی بنیاد پر علیحدگی کے مطالبے اور منصوبے بنانا ، منافرت کی آگ کو بھڑکانا اور بے گناہوں کی جان و مال و آبرو پر حملہ کرنے کا کوئی جواز نہیں - اس سلسلے میں جہاں ارباب اختیار کو ان کی معقول شکایات اور مسائل کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے وہاں ان کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ ایثار و مروت ، مفاہمت اور رواداری کا مظاہرہ کریں اور شکایات و اختلافات کو مل بیٹھ کر طے کریں -

مذہبی تفرقہ بازی :

دوسری چیز جس سے ملک و ملت کی سلامتی کو خطرہ درپیش ہے مذہبی فرقہ واریت ہے اور امت آج اسی صورت حال سے دوچار ہے جو دور جاہلیت میں تھی کہ اس وقت ہر مذہبی گروہ اپنے آپ کو حق کا علمبردار اور مخالف گروہ کو حق سے منحرف خیال کرتا تھا - اور "لیس علینا فی الامیین سبیل "(۱۵) کہہ کر فریق مخالف پر ہر قسم کے ظلم و تشدد ، بددیانتی اور بداخلاقی کو جائز خیال کرتا تھا - آج بھی مسلمانوں کے مختلف مذہبی گروہوں اور جماعتوں نے اپنے آپ کو حق کا اجارہ دار سمجھ کر مذہب کی حقیقی روح کو فراموش کر کے اپنی تمام تر مساعی اپنے مخصوص نظریات اور فروعی مسلک کی ترویج اور اشاعت میں لگا رکھی ہیں اور اس سلسلے میں سب و شتم ، طعن و تشنیع ، طنز و تعریض اور لڑائی جھگڑوں تک سے گریز نہیں کرتیں اور یہ بھلا بیٹھی ہیں کہ ان کا یہ رویہ پیغمبرانہ طرز عمل اور قرآن حکیم کی واضح ہدایات کے سراسر خلاف ہے - قرآن حکیم آنحضرت ﷺ کی نرمی اور ملاطفت کی تعریف کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ اگر آپ سخت دل اور تندخو ہوتے تو لوگ آپ کے قریب بھی نہ پھٹکتے بھاگ جاتے(۱٦) - وہ تو 'حکمت' اور 'موعظۃ حسنۃ' کا درس دیتا ہے(۱۷) اور کافروں اور مشرکوں کو بھی سب و شتم سے منع کرتا ہے(۱۸) - اس صورت حال نے مسلمانوں کو تقسیم کر کے ان کی توانائیوں کو لڑائی جھگڑوں اور فسادات کی نذر کر دیا ہے اور دشمنان اسلام تو چاہتے ہی یہ ہیں کہ مسلمانوں کی ذہنی اور علمی توانائیاں کفر و الحاد کا مقابلہ کرنے اور ملک و ملت کے حقیقی مسائل کو حل کرنے کے بجائے مسلکی اور فروعی مسائل پر جھگڑنے میں صرف ہو جائیں

اور وہ ان جھگڑوں کی آڑ میں دہشت گردی اور تخریب کاری میں مشغول ہیں - اس لئے مذہبی جماعتوں کا اپنے اپنے دائرہ میں رہتے ہوئے مشترکہ اصولوں کی بنیاد پر اتحاد وقت کا اہم تقاضا ہے - اختلاف رائے اگرچہ ایک طبعی اور فطری امر ہے یہ معیوب نہیں بلکہ امت کی فکری بیداری پر دلالت کرتا ہے مگر اس کی بنیاد پر تفرقہ بازی ، تنظیم سازی اور مناظرہ بازی ملک و ملت میں انتشار کا ذریعہ بنتی ہے- اسی لئے آنحضرت ﷺ کو تفرقہ بازوں سے قطع تعلق اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے (۱۹) -

ان دو اسباب کے علاوہ سیاسی عدم استحکام اور غیر منصفانہ معاشی نظام بھی اختلاف و انتشار کا سبب بنتا ہے - اس موضوع پر آئندہ صفحات میں مستقل عنوان کے تحت بحث کی جائے گی -

(ب) قیام عدل و امن :

معاشرتی استحکام کی ایک بنیاد عدل کا قیام ہے - قیام عدل سے مراد معاشرہ میں ایسا متوازن اور عادلانہ نظام قائم کرنا ہے جس میں ہر فرد ، جماعت اور طبقے کے حقوق محفوظ ہوں، اور ظلم و نا انصافی کے سدباب کا موثر انتظام ہو- جس معاشرہ میں ظلم و ناانصافی عام ہو، عوام کے حقوق محفوظ نہ ہوں، ان کی جان ، مال اور عزت و آبرو کو تحفظ نہ ہو وہ جلد تباہی و بربادی کا شکار ہو جاتا ہے کیونکہ اس سے باہمی عداوتیں اور نفرتیں بڑھتی ہیں اور فتنہ و فساد کے دروازے کھلتے ہیں - ارشاد نبوی ہے :

> " لا تقدس امة لا يقضى فيها بالحق و ياخذ الضعيف حقه من القوى غير متعتع" (طبرانی)
>
> (اس امت میں کوئی برکت نہیں ہو سکتی جس میں عادلانہ فیصلے نہ ہوتے ہوں اور جس میں کمزور کوئی پریشانی اٹھائے بغیر اپنا حق زبردست سے وصول نہ کر لیتا ہو)

قیام عدل و امن درج ذیل اقدامات کا متقاضی ہے۔

۱- کمزور طبقوں کے حقوق کا تحفظ۔

عدل کا تقاضا ہے کہ معاشرے کے کمزور افراد کو ظلم و استحصال سے بچایا جائے اور ان کے حقوق کا تحفظ کیا جائے۔ آج ملک کا بیشتر غریب طبقہ وڈیروں، چودھریوں اور سرکاری افسران کے رحم و کرم پر ہے اور ان کی جان و مال گروی اور عصمتیں غیر محفوظ ہیں۔ اس اندھیر نگری اور ظلم کے خلاف پوری قوم کو متحد ہونا چاہیئے، اور ظالموں کے خلاف متحدہ محاذ بنانا چاہیئے، جب تک مظلوم کو مکمل انصاف اور اس کا حق نہ مل جائے۔

یہ تصور دور جاہلیت میں بھی موجود تھا، بعض شرفاء عرب نے حلف الفضول کے نام سے ایک معاہدہ کیا تھا جس کا مقصد ظلم و تعدی اور لوٹ کھسوٹ کو روکنا تھا۔ زبیر بن عبدالمطلب نے اپنے بعض اشعار میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

ان الفضول تحالفوا وتعاقدوا ان لایقیم ببطن مکة ظالم

اُمر علیه تعاهدوا و تواثقوا فالجار والمعتر فیهم سالم(۲۰)

(فضیل نامی افراد نے باہم معاہدہ کیا اور عہد باندھا کہ مکہ میں کوئی ظالم نہ رہے گا، انھوں نے اس بات پر باہم عہد باندھا اور اقرار کیا پس مکہ میں پڑوسی اور ضرورت سے آنے والا سب محفوظ ہیں)

اس معاہدے کے متعلق حضور اکرم ﷺ کے یہ الفاظ کتب سیرت میں منقول ہیں۔

" لقد شهدت فی دار عبدالله بن جدعان حلفا لو دعیت به فی الاسلام لاجبت تحالفوا ان یردوا الفضول علی اهلها وان لا یعز ظالم مظلوما"(۲۱)۔

(میں عبداللہ بن جدعان کے گھر میں ہونے والے معاہدہ میں شریک تھا اگر اسلام کے بعد بھی مجھے اس میں بلایا جاتا تو میں ضرور اس میں شریک ہوتا ، انھوں نے اس بات کا عہد کیا تھا کہ وہ حقدار تک اس کا حق پہنچائیں گے اور یہ کہ کوئی ظالم مظلوم پر غالب نہ آسکے گا)

بہرحال ظلم کے دفعیہ کے لئے نہ صرف حکومتی سطح پر اقدامات کی ضرورت ہے بلکہ اس بحث سے ہمیں سماجی تنظیموں کے قیام کا بھی ثبوت ملتا ہے جو ذاتی اثر و رسوخ استعمال کر کے ظلم کے استیصال میں اپنا کردار ادا کریں -

۲- اقرباء پروری کا خاتمہ :

ظلم و ناانصافی کی ایک صورت اختیارات کے ناجائز استعمال کے ذریعے اپنے اقارب کے ساتھ ترجیحی سلوک کرنا اور انہیں بے جا مراعات سے نوازنا ہے - اسلام اسے عدل و مساوات کے منافی سمجھتے ہوئے سختی کے ساتھ اس سے منع کرتا ہے - حضرت عمرؓ کے صاجبزادے ایک بار مصر گئے تو وہاں کے گورنر حضرت عمرو بن العاصؓ کو حضرت عمرؓ نے خط لکھا کہ " خبردار ! میرے خاندان کا کوئی آدمی اگر تمہارے پاس آئے تو نہ اسے تحفہ دینا نہ سوغات ، نہ اس کے ساتھ خصوصی اور امتیازی برتاو رکھنا "(۲۲) -

بعض اوقات رشتہ داری یا تعلقات کی بنیاد پر مستحق کو محروم کر کے غیر مستحق کو نوازا جاتا ہے - کتنا بڑا المیہ ہے کہ ملک کے اہم انتظامی عہدوں پر جو جماعت بھی برسر اقتدار آتی ہے ، مستحق لوگوں کو نظر انداز کر کے بغیر کسی اہلیت کے اپنے لوگوں کا محض ذاتی تعلقات یا جماعتی وفاداریوں کا لحاظ کر کے تقرر کرتی ہے ، اس سے نفرت و تعصبات کو جگہ ملتی ہے ، احساس محرومی بڑھتا ہے اور انتقامی جذبات فروغ پاتے ہیں - آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے : " جو کوئی مسلمانوں کا حاکم مقرر ہو اور وہ کسی کو اہلیت اور استحقاق کے بغیر (دوستی اور

تعلق کی بنیاد پر) کسی عہدے پر فائز کرے ، اس پر اللہ کی لعنت ہو - اللہ تعالی اس کا کوئی عذر قبول نہ کرے گا حتی کہ اسے جہنم میں داخل کر دے گا " (۲۳)۔

۳- جرائم کا استیصال -

جس معاشرے میں اخلاقی و سماجی جرائم کی بہتات ہو اور ان کے سدباب کا کوئی معقول اور مناسب انتظام نہ ہو وہاں اندرونی استحکام قائم نہیں ہو سکتا اس لئے شریعت نے ان کی بیخ کنی کے لئے حدود و قصاص کا نظام قائم کر کے سخت اور مناسب سزائیں تجویز کی ہیں[۲۴] - اور ان کے نفاذ سے بدامنی اور جرائم کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے - جن ممالک میں شرعی حدود کا نظام رائج ہے وہاں امن و امان کی صورت حال انتہائی اطمینان بخش ہے - عہد نبوی میں امن و امان کی صورت حال خراب کرنے والوں کی تادیب کے لئے پولیس کا محکمہ اپنی ابتدائی شکل میں موجود تھا[۲۵] - اور جرائم کے مرتکب افراد کو جسمانی اور قید و بند کی سزائیں دی جاتی تھیں[۲۶] -

۴- انتظامی مشینری کی اصلاح و احتساب :

معاشرے میں ظلم و استحصال کا ایک بڑا سبب انتظامی ڈھانچے کی خرابی ہے - اس کے لئے ضروری ہے کہ انتظامی عہدوں پر خداترس ، باصلاحیت، پاکیزہ کردار کے حامل ، بے غرض اور ملک اور عوام کے خیر خواہ افراد کا تقرر عمل میں لایا جائے ، جو ہر قسم کے لالچ اور دباؤ سے بے نیاز ہوکر اپنی خدمات سرانجام دے سکیں - آنحضرت ﷺ ایسے لوگوں کو حکومتی مناصب عطا نہیں فرماتے تھے جو جاہ و منصب اور اقتدار و حکومت کے حریص ہوتے تھے - فرمایا: " انا لا نولی هذا من ساله ولا من حرص علیه "[۲۷] (ہم حکومتی مناصب پر کسی ایسے شخص کو مقرر نہیں کرتے ، جس نے اس کا مطالبہ کیا ہو یا جو اس کا حریص ہو) اس لئے انتظامی عہدوں پر تقرر ایک تو اہلیت و استحقاق کی بنیاد پر ہونا چاہیئے ، نہ کہ تعلقات یا سفارش

کے ذریعہ اور دوسری طرف ان کی کڑی نگرانی اور سخت احتساب کے ذریعے فرائض میں غفلت ، رشوت ستانی ، بددیانتی، کام چوری اور اختیارات کے غلط استعمال کا راستہ روکا جائے - حضور ﷺ اپنے عمال و حکام کا سخت محاسبہ فرماتے تھے اور اگر کسی کے طرز عمل پر رشوت کا شائبہ ہوتا تو فورا اس کی اصلاح فرماتے تھے - ایک موقع پر جب ایک عامل نے مال کے دو حصے کئے اور کہا کہ یہ مال تو صدقہ کا ہے اور یہ مال مجھے تحفہ میں ملا ہے تو آپ نے فرمایا کہ گھر بیٹھے تم کو یہ ہدیہ کیوں نہ ملا؟ ، اس کے بعد آپ نے ایک خطبہ میں اس قسم کے لین دین کی سختی سے ممانعت فرمائی (۲۸)۔

ہمارے ملک میں انتظامی مشینری کے متعلق بدعنوانی ، رشوت اور کمیشن کی وصولی کی شکایات عام ہیں اور یہ معاملہ کوئی ڈھکا چھپا نہیں ، جس سے بین الاقوامی سطح پر ہماری ساکھ بھی متاثر ہو چکی ہے - ان شکایات کے ازالہ کے لئے کرپٹ عناصر کے خلاف چاہے وہ انتظامیہ میں ہوں، سیاست میں ہوں یا حکومت میں ایسے جہاد کی ضرورت ہے جیسا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مانعین زکوۃ کے خلاف کیا تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت کہ یہ پوری قوم کے ڈاکو اور لٹیرے ہیں - اس سلسلے میں کسی قسم کی مصلحت آمیزی سے گریز کیا جائے کیونکہ ان کو بے لگام چھوڑنے سے ملکی سلامتی خطرات سے دوچار ہو رہی ہے - حضرت عمرؓ جب کسی کو عامل یا گورنر بناتے تو اس کے مال و اسباب کی فہرست لے کر رکھ دیتے تھے اور جو اضافہ اس میں ہوتا اسے بیت المال میں داخل کرا دیتے تھے (۲۹) - اس سے سرکاری افسران، اراکین اسمبلی اور وزراء وغیرہ کے تقرر کے موقع پر اثاثہ جات کی فہرستیں طلب کرنا اور ان کے معیار زندگی پر مستقل نظر رکھنے کا ثبوت بھی ہمیں ملتا ہے -

۵- عدالتی معاملات میں عدل :

عدل کا دائرہ اگرچہ کافی وسیع ہے تاہم اس کی زیادہ ضرورت عدالتی معاملات میں ہوتی ہے اور اسلام اس سلسلے میں تفصیلی ہدایات دیتا ہے ، وہ تمام انسانوں کے درمیاں بلا تخصیص و امتیاز نسل و رنگ و مذہب عدل کا حکم دیتا ہے ، اس کا دائرہ صرف مسلمانوں تک

محدود نہیں۔ ارشاد ربانی " واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل"(۳۰) میں عدل کی ہدایت "بین المسلمین" کے الفاظ سے نہیں، "بین الناس" سے کی گئی ہے - اسلام میں ذاتی، خاندانی، قبائلی اور علاقائی مفادات سے بالاتر ہوکر مکمل غیر جانبداری کے ساتھ عدل و انصاف قائم کرنے کی ہدایت کی گئی ہے(۳۱) - وہ ایسی آزاد اور خود مختار عدلیہ کا قائل ہے جس کے وقار اور بالادستی پر کوئی حرف نہ آسکے ، اس کے فیصلے ہر قسم کے دباؤ اور مداخلت سے پاک ہوں اور ان کے نفاذ و اجراء میں کسی قسم کی رکاوٹ حائل نہ ہو - اسلامی مملکت میں عدالت سربراہ حکومت کو بھی مدعا علیہ یا ملزم کی حیثیت سے جوابدہی کے لئے طلب کر سکتی ہے اور اس کے خلاف فیصلہ بھی صادر کر سکتی ہے ، اسلامی تاریخ میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں(۳۲)۔

عدل و انصاف کی اہمیت کے پیش نظر آنحضرت ﷺ نے ریاست مدینہ میں کئی اقدامات فرمائے - غیر مسلموں کو بھی آپ کے فیصلوں پر مکمل اعتماد ہوتا تھا - آپ نے ان الفاظ کے ساتھ عدل و انصاف کے معاملہ میں حائل بدعنوانیوں کا خاتمہ کیا - " والذی نفس محمد بیدہ لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت یدھا "(۳۳)۔ (اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے ، اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا) - اس سے ثابت ہوا کہ جب نبی کی اولاد سے بھی حد ساقط نہیں ہو سکتی تو عام حکمران ، ان کی اولاد اور خویش و اقارب کیسے سزا سے مستثنی ہو سکتے ہیں -

دیگر اداروں کی طرح ہمارے ہاں عدلیہ کا ادارہ بھی زوال کا شکار ہے - عدالتی طریقہ کار اس قدر پیچیدہ ، مشکل اور مہنگا ہے کہ اس پر عربی کی یہ کہاوت بالکل صادق آتی ہے کہ "عدالتوں سے انصاف حاصل کرنے کے لئے عمر نوح ، گنج قارون ، اور صبر ایوب کی ضرورت ہے " - حالانکہ ایک اسلامی ریاست میں عدالتی طریق کار آسان اور انصاف کا حصول مفت ہونا چاہیئے اور اس کے لئے جہاں موجودہ قوانین کو اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالنے کی ضرورت ہے وہاں ججوں کے انتخاب میں بھی اہلیت ، دیانت ، فرض شناسی اور تقوی جیسے

صفات کو معیار بنانا ہوگا تاکہ رشوت اور سفارش جیسے بدعنوانیوں کا سدباب کیا جا سکے جو انصاف کے راستے میں حائل ہیں۔

(ج) اصلاح معاشرہ :

انفرادی اور ذاتی اصلاح کو کافی سمجھتے ہوئے اجتماعی اصلاح کو نظر انداز کر دینا اور معاشرہ میں موجود منکرات اور بدعنوانیوں کا سدباب کرنے کے بجائے ان سے اغماض برتنا بالآخر پورے معاشرہ کی تباہی کا سبب بنتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ایک حدیث میں معاشرے کی بگڑتی ہوئی صورت حال اور اس کی اصلاح کی ذمہ داری کو ایک عمدہ تمثیل کے ذریعے واضح فرمایا، آپ نے ارشاد فرمایا:

> "اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود پر قائم رہنے والے اور ان کو توڑنے والے کی مثال اس قوم کی ہے جس نے قرعہ اندازی کے ذریعہ کسی کشتی میں اپنی نشستیں حاصل کر لیں، بعض کو کشتی کے اوپر کے حصہ میں جگہ ملی اور بعض کو زیریں حصہ میں، زیریں حصے والوں کو جب پانی کی ضرورت پڑتی تو انہیں اوپر والوں کے درمیان میں سے گزرنا پڑتا تھا، لہٰذا انھوں نے سوچا کہ اگر وہ کشتی کے اپنے حصے یں سوراخ کر لیں اور اوپر والوں کو تکلیف نہ دیں تو بہتر ہے، اب اگر اوپر والوں نے انہیں ان کے ارادے سے باز نہ رکھا تو سب ہلاک ہو جائیں گے اور اگر انہیں روک دیا تو یہ خود بھی بچ جائیں گے اور وہ بھی"(۳۴)۔

معاشرہ کی اصلاح کے لئے بنیادی قدم افراد معاشرہ کی اخلاقی تربیت اور سیرت و کردار کی تعمیر ہے اور ان میں خوف خدا اور فکر آخرت کو بیدار کرنا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ پر نگاہ دوڑانے سے یہ حقیقت واضح نظر آتی ہے کہ آپ نے مکی دور میں سب سے زیادہ توجہ افراد کی ذاتی اصلاح، ان کے اخلاق و اعمال کی درستی اور تزکیہ نفس کی طرف فرمائیں اور ان میں خوف خدا اور آخرت کی جواب دہی کا احساس پیدا کر کے انہیں اخلاق حمیدہ

سے متصف کیا اور رزائل سے پاک کیا - اس نبوی منہاج کو اپنا کر ایسے صالح افراد تیار کئے جا سکتے ہیں جو حکومت اور عدالت کے حکم و مطالبے سے پہلے ہی اپنے اوپر حقیقی قانون کے فرائض عائد کر لیں اور اپنا ہر قدم صراط مستقیم پر رکھ کر اپنی زندگی کا ہر لمحہ احکام الٰہی کے مطابق گزارنے کی کوشش کریں اور قانون کی پابندی وہاں بھی کریں - جہاں دیکھنے والی کوئی انسانی آنکھ اور پکڑنے والا کوئی ہاتھ موجود نہ ہو -

معاشرہ کی اصلاح سے جہاں افراد اور مختلف طبقوں کی اصلاح ہوگی وہاں حکمران طبقہ کی بھی اصلاح ممکن ہو سکے گی اور یہ طبقہ خاص طور پر اصلاح طلب ہے کیونکہ " الناس علی دین ملوکھم " کی رو سے ان کا کردار اور رویہ عوام کے لئے نمونہ بنتا ہے - اس مقصد کے حصول کے لئے ہر فرد اور جماعت کو اپنے اپنے دائرے میں رہتے ہوئے اپنا کردار ادا کرنا ہوگا بالخصوص دینی جماعتوں پر یہ ذمہ داری سب سے زیادہ عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی توانائیوں کا سارا رخ کردار سازی پر صرف کریں -

اصلاح و تطہیر کے اس عمل میں تعلیم کا بھی بڑا عمل دخل ہے جب کہ تعلیم اسلامی خطوط پر دی جائے اور تربیت کو اس سے الگ نہ رکھا جائے - ذرائع ابلاغ بھی قومی شعور ، اجتماعی فکر اور اخلاقی اقدار کو اجاگر کرنے میں موثر کردار ادا کر سکتے ہیں - نیز امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ادارے کا قیام بھی جو صالح اور متقی افراد پر مشتمل ہو مذکورہ مقاصد کے حصول کے لئے مفید ثابت ہوگا -

۲-سیاسی استحکام سیرت طیبہ کی روشنی میں :

قومی فلاح و بہبود ، ملی اتحاد و یکجہتی اور ملکی استحکام و سالمیت کے لئے سیاسی ہم آہنگی کا قیام وقت کا اہم تقاضا ہے کیونکہ سیاسی قیادت کی نااہلی اور محاذ آرائی پر مبنی سیاست جہاں قومی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہوئی ہے وہاں ملکی سالمیت کے لئے بھی خطرے کا باعث ہے- اس سیاسی ابتری کے خاتمہ کے لئے آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ ہمارے لئے مشعل راہ ہے - آپ نے ایسے دور میں جب کہ حکومتوں کی بنیاد ، آمریت اور مطلق العنانی پر قائم

تھی اور بالخصوص عرب کا معاشرہ جو تنظیم ، سیاسی وحدت اور ضابطے اور قوانین سے بالکل ناآشنا تھا ایک عظیم انقلاب کے ذریعہ ہمہ گیر ریاست قائم فرما کر سیاسی ابتری اور انتشار کا خاتمہ فرمایا- آپ نے دین پر مبنی سیاست متعارف کروائی جس کی بنیاد عدل و انصاف پر تھی اور "وشاورهم فی الامر"(۳۵) کی ہدایت کے تحت اہم ملکی معاملات میں مشورہ کی سنت جاری فرمائی (۳۶الف)اور خلافت و حکومت کے لئے مشورہ ضروری قرار دیا- آپ چاہتے تو کسی کو اپنا جانشین نامزد فرما سکتے تھے اور کسی کو اس سے اختلاف کی گنجائش نہ ہوتی مگر آپ نے یہ ذمہ داری امت پر چھوڑی کہ وہ باہمی مشورے سے خود اپنا سربراہ منتخب کریں -

آنحضرت ﷺ کی طرف سے منعقدہ مشاورتی مجالس میں صحابہ کرام آپ سے اختلاف رائے بھی کرتے تھے مگر جب اس سلسلے میں وحی نازل ہوتی تھی تو اپنی اختلافی رائے سے دستبردار ہو جاتے تھے(۳۶ ب) - آپ نے حکمرانوں کو "خادم" اور "راعی" کہہ کر رعایا کے حقوق کے تحفظ کی ذمہ داری ان پر ڈالی اور دوسری طرف حکمرانوں کی اطاعت اور احترام کی ہدایت کر کے حکومت اور عوام کے درمیان حائل خلیج کو ختم فرمایا - سیرت طیبہ اور تعلیمات نبوی کی روشنی میں ملکی سیاسی استحکام کے لئے درج ذیل امور قابل توجہ ہیں -

(الف) اہل ، صالح اور جرأت مند قیادت کا انتخاب :

کوئی بھی ملک اور قوم سیاسی ، معاشی اور معاشرتی اعتبار سے مستحکم نہیں ہو سکتی جو مخلص اور جرأت مند قیادت سے محروم ہو - ملک کی قیادت جس قدر مخلص ، راستباز ، دیانتدار اور قابل افراد کے ہاتھوں میں ہوگی اسی قدر ملک و قوم اور معاشرے کے لئے مفید ثابت ہوگی- اسلام اپنے ماننے والوں کو ایسی قیادت منتخب کرنے کی ہدایت کرتا ہے جو مومن صالح ، قابل اور جرأت مند ہو - جو عوام کے مسائل کا ادراک رکھتی ہو ، جھوٹ ، دغابازی ، منافقت اور وعدہ خلافی پر مبنی سیاست سے پاک ہو ، دولت ، اقتدار ، جاہ و منصب کی حرص اور طمع سے بے نیاز اور خدمت خلق کے جذبہ سے سرشار ہوکر میدان عمل میں اتری ہو -

ہمارے ہاں صورت حال اس کے برعکس ہے ، سیاستدانوں کی اکثریت دولت اور خاندانی اثر ورسوخ کی بناء پر اقتدار پر قابض ہوتی ہے اور ملک و قوم کی خدمت کے بجائے اپنی تمام تر صلاحیت و قابلیت کو دولت و شہرت کے حصول اور اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے میں صرف کرتی ہے ، فرائض سے غفلت ، قانون شکنی ، کرپشن ، اختیارات کا ناجائز استعمال ، اقرباء پروری اور جماعتی وابستگیوں کی بناء پر نوازشات کا سلسلہ موجودہ سیاسی کلچر کا حصہ بن چکا ہے ، ایسی نااہل قیادت اپنے بداعمالیوں کے صلہ میں اپنے ساتھ ملک اور قوم کو بھی لے ڈوبتی ہے-

مسلم ممالک میں بالخصوص ہمارے ہاں سیاسی عدم استحکام کے پس پردہ مغرب کی سازشیں کارفرما ہیں وہ ان ممالک میں ایسی سیاسی قیادت کی حمایت کرتا ہے جو عوام کے مسائل کا شعور رکھنے اور ان کو حل کرنے کی قابلیت نہیں رکھتی ، قابل اور لائق قیادت اور اس کے زیر اثر ملکی استحکام اور ترقی کو وہ اپنی بالادستی کے لئے خطرہ سمجھتا ہے ، اس لئے وہ نااہل حکمرانوں کی حمایت اور پشت پناہی کر کے انہیں اپنے مقاصد کے لئے آلہ کار کے طور پر استعمال کرتا ہے اور ان کے ذریعہ ملک میں اپنی پالیسیوں کا اجراء کرتا ہے -

اسلامی سیاست کے ماہرین نے حکمرانوں کی شرائط انتخاب میں ایک اہم شرط حریت و آزادی ذکر کی ہے[۳۸] اس لئے کہ حاکیت ، محکومیت اور غلامی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی ضروری ہے کہ حکمران اپنے دین اور ملک کے معاملات میں اصول شریعت کے مطابق رائے اور فیصلوں میں آزاد ہوں لہذا ایسا شخص ہرگز حکمرانی کے قابل نہ ہوگا جو اپنی رائے اور نظریات یا فیصلوں میں غیروں کا غلام اور تابع ہو، جب جسم کی غلامی اور محکومی امارت و خلافت سے مانع ہے تو ذہن و فکر کی غلامی کے ساتھ بھی خلافت و امارت جمع نہیں ہو سکتی - اس لئے اگر کوئی حکمران ایسی روش اختیار کرتا ہے تو اس کا معزول کرنا واجب ہوتا ہے -

الغرض آنحضرت ﷺ کے عطا کردہ جمہوری اور شورائی نظام حکومت کو عصری تقاضوں کے مطابق رائج کر کے ایسی اہل اور مخلص قیادت کو سامنے لایا جا سکتا ہے جو ملک و

ملت کے لئے مفید ثابت ہو سکتی ہے۔

(ب) محاذ آرائی کی سیاست سے اجتناب :

ایک اسلامی ریاست میں سیاسی نقطہ نظر کے اختلاف کی بناء پر سیاسی جماعتوں کی گنجائش موجود ہے جب وہ شریعت کی حدود میں عوام کی فلاح و بہبود، ان کے حقوق و مفادات کے تحفظ اور ملکی استحکام و ترقی پر مبنی منشور رکھتی ہوں اور ان کی جدوجہد اسلامی نظام حکومت کے قیام میں ممد و معاون ہو لیکن ان کا وجود اگر ذاتی مفادات اور حصول اقتدار کی خاطر ہو تو اسلام اس طرح کی بے ثمر و بے مقصد گروہ بندی کی سخت مخالفت کرتا ہے، کیونکہ اس کا نتیجہ سوائے انتشار، محاذ آرائی اور باہمی تعصب و مخاصمت کے کچھ نہیں نکلتا۔ اس قسم کی جماعتیں اقتدار سے محروم ہونے کی صورت میں اقتدار کو ہر صورت میں حاصل کرنے اور جذبہ انتقام سرد کرنے کے لئے بے جا تنقید و مخالفت، احتجاج، ہڑتالوں اور مظاہروں کے ذریعہ افراتفری اور انتشار پیدا کرتی ہیں اور ملکی سلامتی کو بھی داؤ پر لگا دیتی ہیں۔ یہ طریق کار آنحضرت ﷺ کی ہدایات کے سراسر خلاف ہے۔

انحضرت ﷺ کا ارشاد ہے :

> " لا تسبوالولاة فانهم ان احسنوا كان لهم لأجروعليكم الشكروان اساؤافعليهم الوزروعليكم الصبر"(۳۹)۔
>
> (حاکموں کو نہ کوسو، کیونکہ اگر وہ نیکی کرتے ہیں تو ان کے لئے اجر ہے اور تمہارے لئے موقع شکر اور اگر وہ برائی کریں تو ان کی گردن پر بوجھ اور تمہارے لئے موقع صبر ہے)۔

احتجاجی سیاست کا یہ رویہ ان احادیث کے بھی سراسر خلاف ہے جن میں " سمع و طاعت " کی زیادہ سے زیادہ تاکید کی گئی ہے(۴۰)۔ ایک حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا: سنو اور اطاعت کرو خواہ تم پر کوئی ایسا حاکم بنا دیا جائے جس کا سر خشک انگور یا کشمش کی طرح

ہو"[۴۱]۔ اس لئے موجودہ سیاست کی اصلاح کے لئے ضروری ہے کہ وہ سیاسی جماعتیں جو منفی کردار کی حامل ہوں، ملک کے اساسی نظریات کی مخالف ہوں، ان کا منشور اور دستور اسلام کے منافی ہو، جو اسلام اور ملک دشمن طاقتوں سے ہدایات اور سرمایہ وصول کرتی ہوں اور لسانی ، علاقائی اور فرقہ وارانہ تعصب پھیلاتی ہوں، ان پر پابندی لگائی جائے - مثبت سوچ رکھنے والی جماعتوں کے لئے ایسا ضابطہ اخلاق بنایا جائے جس سے سیاسی ہم آہنگی کو فروغ حاصل ہو -

(ج) حکومت پر مثبت تنقید اور حکمرانوں کا احتساب :

حکومت کے استحکام میں اختلاف و تنقید کو بڑا دخل ہوتا ہے ، مگر شرط یہ ہے کہ وہ فتنہ و فساد کی حد تک نہ پہنچنے پائے کیونکہ ازروئے قرآن یہ قتل سے زیادہ سنگین ہے ، یہ اختلاف و احتساب بغاوت نہیں - حکومت کی رائے اور پالیسی سے اختلاف کرنا دوسری چیز ہے اور اس کے خلاف مورچہ سنبھالنا الگ چیز - بغاوت اور خروج اس وقت درست ہوتا ہے جب اصلاح احوال کی ساری تدبیریں ناکام ہو چکی ہوں -

اسلام میں ایسی حزب اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں جو تنقید برائے تنقید اور اختلاف برائے اختلاف کے اصول کے تحت کام کرتی ہوں بلکہ ہر جائز درست اور تعمیری کام میں ارکان شوری (پارلیمنٹ) چاہے وہ اقتدار میں ہوں یا اقتدار سے باہر حکومت کی تائید و حمایت اور ہر ناجائز اور غلط کام میں اس سے اختلاف رکھتے ہیں - حزب اقتدار کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اہم ملکی اور بین الاقوامی امور پر عوامی نمائندوں کو اعتماد میں لے ، بحث و تمحیص کے ذریعہ ان کا نقطہ نظر معلوم کرے اور مسائل کو ذاتی پسند و ناپسند کے بجائے باہمی مشورے سے حل کرے - اصحاب اقتدار کو ان کی غلطیوں پر ٹوکنا اور ان کا احتساب نہ صرف ارکان پارلیمنٹ کا بلکہ عوام کا بھی فرض ہے اور " امر بالمعروف و نہی عن المنکر" کے فریضہ کی تکمیل ہے - اسلامی تاریخ میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ مملکت کا ایک ادنی فرد بھی حکومتی اور ذاتی معاملات میں خلفاء سے بازپرس کرتا اور ان کی غلطیوں پر ٹوک سکتا تھا -

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خلافت کی مسند سنبھالتے ہی اپنے پہلے خطبہ میں رعایا کو اپنا احتساب کرنے اور غلطیوں پر نظر رکھنے اور سیدھا کرنے کی ہدایت فرمائی - آپ نے فرمایا:

" ایھا الناس فانی قدولیت علیکم و لست بخیر کم فان احسنت فاعینونی و ان اسات فقو موانی "(۴۲)

(لوگو! مجھے تم پر حکمران مقرر کیا گیا ہے، حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں، اگر میں اچھائی کی راہ پر چلوں تو میری مدد کرنا اور اگر برائی کی راہ پر چلوں تو مجھے پکڑ کر سیدھا کر دینا)

حضرت عمر کا ارشاد ہے

" خدا اس شخص پر رحم کرے جو میرے عیوب پر مجھے مطلع کرتا ہے "(۴۳)

(د) حکومت اور عوام میں رشتہ محبت و یگانگت :

سیاسی ہم آہنگی اور استحکام کے لئے ضروری ہے کہ حکومت اور عوام میں حاکم اور محکوم کا نہیں، محبت اور یگانگت کا رشتہ قائم ہو اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب دونوں کو اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کا مکمل شعور ہو - حکمرانوں کو احساس ہو کہ حکومت اور اقتدار ایک امانت ہے یہ دوسروں کو غلام بنانے اور ان پر حکم چلانے کے لئے نہیں بلکہ یہ مسئولیت اور ذمہ داری کا بہت بڑا بوجھ ہے - جس کی طرف آنحضرت ﷺ نے متوجہ فرمایا ہے کہ "جس بندہ کو اللہ رعیت کا نگران بنائے اور وہ اس کی پوری پوری خیر خواہی نہ کرے تو وہ جنت کی بو بھی نہ پائے گا"(۴۴) - نیز فرمایا :" جو حکمران ضرورت مندوں سے اپنا دروازہ بند کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت کے وقت آسمان کا دروازہ بند کر دے گا" (۴۵) -

جہاں حکمران رعایا کے متعلق عنداللہ جوابدہ ہیں اسی طرح رعایا کو بھی حکمرانوں کی سمع و طاعت کی ہدایت فرمائی ہے (جیسا کہ سابقہ سطور میں بعض احادیث نقل کی گئی ہیں)

رسول اکرم ﷺ نے حکمرانوں اور رعایا کے درمیان موجود رشتے کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا :

> " تمہارے بہترین حکمران وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں جن کو تم دعا دو اور وہ تمہیں دعا دیں اور تمہارے بدترین حکمران وہ ہیں جن سے تم نفرت کرو اور وہ تم سے نفرت کریں اور جن پر تم لعنت کرو اور وہ تم پر لعنت بھیجیں "(۴۶) -

یہ باہمی رشتہ محبت اسی صورت میں مستحکم ہو سکتا ہے جب حکومت اور رعایا میں خلیج حائل نہ ہو ، ایک عام آدمی کی رسائی بڑی آسانی سے حاکم تک ہو سکتی ہو - آنحضرت کو ایک مخبوط الحواس عورت نے اپنے کسی کام کے بارے میں کہا تو آپ نے فرمایا " تم اپنے کام کے لئے مدینہ کی جس گلی میں لے چلو میں چلنے کو تیار ہوں، چنانچہ آپ اس کے ساتھ گئے اور اس کے کام کو سرانجام دیا "(۴۷) - یہ بھی ضروری ہے کہ حکمران ذاتی مفادات سے بالاتر ہو کر اور اقرباء پروری سے اجتناب کرتے ہوئے عوام کی خدمت کریں اور اپنے اختیارات سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں ، ان کا رہن سہن ، طرز معیشت اور معیار زندگی عوام سے بلند نہ ہو -

آنحضرت اور خلفاء راشدین نے سادہ طرز معیشت کی جو روشن مثالیں قائم کی ہیں وہ محتاج بیان نہیں - دنیا ان کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے -

(۴) معاشی استحکام :

موجودہ دور میں اقتصادی قوت کی بڑی اہمیت ہے اور جو قومیں اس میدان میں آگے بڑھتی ہیں سیاسی اعتبار سے بھی انہیں بالادست قوت کی حیثیت حاصل ہوتی ہے - جس ملک کی معیشت غیر مستحکم ہو، عوام زندگی کی بنیادی سہولیات سے محروم ہوں، گرانی کی وجہ سے اشیاء صرف عوام کی دسترس سے باہر ہوں ، دولت کی تقسیم غیر منصفانہ ہو، ملکی معیشت

قرضوں کے سہارے قائم ہو وہاں ترقی اور خوشحالی کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا - ایسا ملک مضبوط قوموں کے استحصال کا شکار ہوتا ہے اور معاشی بے چینی اور طبقاتی منافرت کی آگ پورے معاشرے کو بھسم کر دیتی ہے -

آج ہمارا ملک اقتصادی اعتبار سے تباہی کی طرف بڑھ رہا ہے اس کی معیشت کو مستحکم کر کے ہی ہم ملک کو مستحکم کر سکتے ہیں اور اس کا علاج بھی ہماری نظر میں سیرت طیبہ سے استفادہ ہے - آنحضرت ﷺ نے استحکام معیشت کے لئے جو اقدامات فرمائے ان کے نتیجہ میں اقتصادی اعتبار سے پسماندہ اور یہود کے پنجوں میں جکڑی ہوئی قوم چند ہی سالوں میں آسودہ حال اور خوشحال ہوگئی - آپ کی سیرت اور تعلیمات کی روشنی میں استحکام معیشت کے لئے درج ذیل اقدامات کی ضرورت ہے -

(الف) دولت کی منصفانہ تقسیم کا اہتمام :

جس معاشرہ میں دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہو، دولت مند طبقہ وسائل رزق پر قابض ہو اور غریب عوام روٹی کے چند ٹکڑوں کو ترستے ہوں وہ معاشرہ کبھی بھی مستحکم نہیں ہو سکتا - یہ طبقاتی تفریق جہاں دولت مندوں کے دلوں میں قساوت ، بے رحمی ، خود غرضی اور بخل پیدا کرتی ہے تو دوسری طرف غریب عوام کے دلوں میں بغض ، حسد ، کینہ ، عداوت و نفرت کے جذبات بھڑکا دیتی ہے ، اس لئے اسلام معاشرے میں تقسیم دولت کا ایسا فطری اور قابل عمل طریقہ کار بتاتا ہے جس کے تحت ہر شخص کو اپنے کسب و عمل سے اور اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر جائز اور مناسب حق مل سکے چنانچہ اجرتوں کے تعین اور تنخواہوں کی ادائیگی کے سلسلے میں ریاست پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ملازمین کی اتنی تنخواہ اور اجرتیں مقرر کریں جس سے زندگی کی بنیادی سہولتیں آسانی سے میسر آسکیں وہ اور ان کے لواحقین ایک معقول معیار کے مطابق زندگی گزار سکیں ، آپ کے ایک ارشاد سے بھی اس مسئلہ کی وضاحت ہوتی ہے ، آپ نے فرمایا : " جو شخص عامل ہو وہ اپنی بیوی کا خرچ بھی لے سکتا ہے ، اگر اس کے پاس نوکر نہ ہو تو نوکر رکھ سکتا ہے ، اگر مکان نہ ہو تو گھر بنا سکتا

ہے مگر جو کوئی اپنی ضروریات سے زیادہ لے تو وہ غبن کا مرتکب ہوگا"(۴۸) - اس ارشاد پر عمل کر کے رشوت اور بددیانتی کے خاتمہ کے ساتھ ساتھ سرکاری ملازمین کے روز بروز کے احتجاج، مظاہروں اور ہڑتالوں سے بچا جا سکتا ہے -

اسلام ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ دولت کسی خاص طبقہ میں یا چند ہاتھوں میں محدود ہو کر رہ جائے بلکہ وسیع پیمانے پر دولت کی گردش ضروری ہے تاکہ امیر و غریب کے درمیان تفاوت کو جس حد تک فطری طور پر ممکن ہو کم کیا جا سکے(۴۹) - اس مقصد کے لئے وہ ان راستوں کو بند کرنے کی ہدایت کرتا ہے جن کے ذریعے دولت کا بہاؤ ایک مخصوص طبقے کی طرف مڑ جائے مثلاً سود، جوا، ذخیرہ اندوزی، رشوت، بلیک مارکیٹنگ وغیرہ، دوسری طرف دولت کو گردش میں رکھنے اور اس کے ثمرات کو عوام تک پہنچانے کے لئے متعدد اقدامات کرتا ہے جیسے زکوٰۃ و صدقات کی ادائیگی اور میراث کی تقسیم وغیرہ -

دولت کی نا منصفانہ تقسیم ہی کے زیر اثر ہمارے ہاں ایک محدود طبقہ ملکی وسائل پر قابض ہو کر اس کے برگ و بار سے مستفید ہو رہا ہے اور یہی طبقہ پھر دولت کے بل بوتے پر اقتدار پر قابض ہو جاتا ہے اور غربت و افلاس کے خاتمہ اور معاشی خوشحالی کو عام کرنے کے بجائے دولت کے بہاؤ کا رخ اپنی طرف موڑ دیتا ہے جس کے نتیجہ میں عوام غربت اور مہنگائی کے شکنجے میں پھنس کر رہ جاتے ہیں، اس لئے اس ناہمواری کے خاتمہ کے لئے دو اقدامات بنیادی اہمیت رکھتے ہیں -

۱- سود کا خاتمہ :

اس وقت معیشت کی ترقی و استحکام اور دولت کی غیر منصفانہ تقسیم میں سب سے بڑی رکاوٹ سودی نظام معیشت ہے جو سماجی عدل کے سراسر منافی ہے اور ہمارے بیشتر اقتصادی اور سماجی مسائل کا سبب بھی یہی ہے - خود مغربی مفکرین نے واقعات و دلائل کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ بیسویں صدی کی دونوں عالمی جنگوں کے پس پشت اقتصادی مقاصد

کار فرما تھے اور سیاسی نظام کی ناکامی ، ہوس ملک گیری ، عالمی اقتدار کی خواہش اور اقتصادی عناصر مغربی ملکوں کی سودی معیشت کا بالواسطہ نتیجہ تھے - جس کی وجہ سے پوری انسانیت کو ناقابل بیان مصائب کا نشانہ بننا پڑا[۵۰] - (کیونکہ جنگ کے لئے جدید اسلحہ اور ہتھیاروں کی ضرورت پڑتی تھی اور اس کی خریداری پر بھاری شرح سود سے قرض لینا پڑتا تھا)-

عصر حاضر کا مشہور ماہر معاشیات "Lord Keynes" لکھتا ہے - " دنیا کی تمام معاشی برائیاں حتی کہ بے روزگاری بھی سود خوری کی وجہ سے ہے ، جس قوم میں سود کی شرح جتنی کم ہوگی اس کی تہذیب و تمدن اتنا ہی بلند و مستحکم ہوگا" [۵۱]-

قرآن حکیم بھی اسی طرف متوجہ کرتا ہے کہ سود معاشرے کی بہت سی خرابیوں کی بنیاد اور ظلم ہے اور سودی لین دین اللہ اور رسول کے ساتھ اعلان جنگ ہے اور جو لوگ اس کا لین دین کرتے ہیں ، دنیا اور آخرت میں عذاب سے دوچار ہوں گے[۵۲] - اور موجودہ صورت حال کسی سے مخفی نہیں کہ سودی معیشت نے ظلم و استحصال کے فروغ اور مختلف تنازعات اور جنگوں کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے ، قرآن حکیم کی واضح تنبیہ " فاذنوا بحرب من اللہ و رسولہ "[۵۳] کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ خدا کے خلاف جنگ کا مطلب انسانوں اور خدائی فوجوں کا باہم برسر پیکار ہونا ہے بلکہ مختلف افراد ، جماعتوں ، طبقوں اور ملکوں کا ایک دوسرے کے خلاف صف آراء ہونا ہے -

آج ہم اپنے معاشروں کا اس آیت کی روشنی میں جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ہم اس وقت واقعی اس وعید عذاب کی زد میں ہیں جو سودی معیشت کا بالواسطہ یا بلاواسطہ نتیجہ ہے -

تعجب ہے کہ اس عالمگیر لعنت کو قدیم یونانی مفکرین سے لے کر عہد جدید کے مفکرین اور ماہرین معاشیات کارل مارکس ، اور لارڈ کینز وغیرہ تک سب نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اسے اقتصادی ترقی کے لئے مہلک قرار دیتے ہیں، اسی بناء پر بانی پاکستان نے

بھی سٹیٹ بینک آف پاکستان میں اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ " اس کا تحقیقاتی ادارہ انسانی مساوات ، (Equality of mankind) اور سماجی انصاف (Social Justice) کی بنیادوں پر بینک کاری کا ایسا نظام وضع کرے جو اسلام کے اصولوں کے مطابق ہو"[۵۴] ۔ مگر افسوس کہ مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام کی مرعوبیت اور سود کے خاتمہ سے پیدا ہونے والی صورت حال کے متعلق غلط اندیشے اس لعنت سے چھٹکارا پانے میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں - حالانکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے :

" ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب"[۵۵]

(جو اللہ سے ڈرتا ہے تو اللہ اس کے لئے کشادگی کا راستہ کھول دیتا ہے
اور اس کو بے اندازہ اور بے حساب رزق عطا فرماتا ہے)

بحیثیت مسلمان ہمیں صدق و اخلاص اور سنجیدگی کے ساتھ اس کے خاتمہ کو اولین ہدف بنا کر اس سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے -

۲- زکوۃ کا نفاذ :

معاشرے میں توازن پیدا کرنے اور غربت کے خاتمہ کا اہم ذریعہ زکوۃ کا نفاذ ہے اور اسلامی حکومت اس کی وصولی اور تقسیم کی ذمہ دار ہے - حضور اکرم ﷺ نے حکومتی سطح پر اس کی وصولی اور تقسیم کا نظام نافذ فرمایا اور اس کی تفصیلات مہیا فرمائیں[۵۶] - ان کی روشنی میں موجود نظام کو زیادہ موثر اور فعال بنانے کی ضرورت ہے -

سود کا خاتمہ اور نظام زکوۃ کا حقیقی نفاذ معیشت کی اصلاح میں دور رس نتائج کا حامل ہے - سود کے خاتمہ سے سرمایہ دارانہ ذہنیت اور اقتصادی شعبے میں استحصال کا خاتمہ ہوگا اور زکوۃ سے دولت کی تقسیم کے نظام میں انقلاب آئے گا ، غربت و افلاس کا خاتمہ ہوگا اور ان اقدامات سے حقیقی معنوں میں عوام کی خوشحالی اور سماجی انصاف کی بنیاد رکھی جا سکے گی -

اس کے علاوہ احتکار (Hoarding) جس کے مرتکب کو حضور ﷺ نے خطاکار و ملعون قرار دیا ہے (۵۷ الف)، نیز صنعتی اور تجارتی اجارہ داریاں جو آزاد مسابقت کی راہ میں حائل ہیں، ان پر بھی سخت پابندی لگانے کی ضرورت ہے جو ایک طرف تو دولت کے ارتکاز کا ذریعہ بنتی ہیں تو دوسری طرف ہوشربا گرانی کا باعث - ان کی حوصلہ شکنی سے اشیاء ضرورت کا ارزاں نرخوں میں دستیاب ہونا ممکن ہو سکے گا اور وہ عام آدمی کی دسترس سے باہر نہیں ہو سکیں گی -

(ب) اقتصادی محکومی سے نجات :

اقتصادی اعتبار سے پسماندہ ممالک کو اپنی معیشت سنبھالنے کے لئے ترقی یافتہ ممالک سے امداد اور قرض لینے کی ضرورت اکثر و بیشتر پیش آتی ہے بلکہ ان کی معیشت کا انحصار ہی امدادی قرضوں پر ہوتا ہے ، مگر ان ملکوں کی معیشت کے جائزہ سے واضح ہوتا ہے کہ عالمی طاقتوں سے قرضہ و امداد حاصل کرنے والا کوئی بھی ملک نہ تو اقتصادی طور پر خوشحال ہوا ہے اور نہ ہی دفاعی لحاظ سے مضبوط ، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان ممالک کی حالت خود انحصاری کی پالیسی اپنانے والے ممالک کے مقابلے میں انتہائی مخدوش ہے اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ قرضوں کی فراہمی سے عالمی طاقتوں کا مقصد مقروض ممالک کو اقتصادی اور دفاعی لحاظ سے مضبوط اور مستحکم کرنا نہیں ہوتا بلکہ ان کے گرد اپنا حلقہ تنگ کر کے انہیں کمزور رکھنا ہوتا ہے ، دوسری طرف پسماندہ ممالک کا سب سے بڑا مسئلہ اپنی آمدنی اور اخراجات میں توازن برقرار رکھنا ہوتا ہے ، اس لئے قرضہ اور امداد حاصل کرتے وقت ان کے سامنے اہم ترجیحات اخراجات کو پورا کرنا اور قومی بجٹ میں خسارے کو کم کرنا ہوتا ہے ، نہ کہ صنعتی ، اقتصادی ، سائنسی اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ترقی کی راہ پر گامزن ہونا - ایسی صورت حال میں ان ممالک کی اقتصادیات کو "رہن رکھی ہوئی معیشت" (Mortgaged Economy) کہا جا سکتا ہے ، قرضوں کے ناقابل برداشت بوجھ اور پھر اس پر بھاری شرح سود کی ادائیگی ، نیز وسائل کی کمی کی وجہ سے یہ ممالک نہ تو آزادی کے ساتھ کوئی فیصلہ کر سکتے ہیں اور نہ ہی

بیرونی اثرات سے بالاتر ہو کر اپنی ترقی اور خوشحالی کے لئے جدوجہد کر سکتے ہیں بلکہ وہ ہر کام قرض دینے والے ممالک اور اداروں کے اشاروں پر کرتے ہیں اور ان کے مفاد کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے ، اس طرح عالمی طاقتوں نے ایک سازش کے تحت غلامی اور محکومی کی نئی شکل "اقتصادی محکومی" کو وجود میں لاکر بالخصوص مسلم دنیا کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ سیاسی طور پر آزاد ہونے کے باوجود ان کی غلام اور محکوم بھی رہے - آج ہمارا ملک بھی ایسی صورت حال سے دوچار ہے ، قرضے چاہے انفرادی ضروریات کے لئے ہوں یا اجتماعی ضروریات کے لئے بہت بڑا بوجھ ہیں اور موجودہ حالات کے تناظر میں دیکھا جائے تو واضح ہوگا کہ ان کے ذریعے پائیدار معیشت کبھی بھی قائم نہیں ہو سکتی - اسی لئے آنحضرت ﷺ نے قرضوں کے حصول کی حوصلہ افزائی نہیں فرمائی بلکہ حتی الوسع گریز کرنے کی ہدایت فرمائی ہے - آپ اکثر ان الفاظ کے ساتھ قرض سے پناہ مانگتے تھے - " اللھم انی اعوذبك من المغرم "(۵۷ ب) -

اور قرض کو ذلت اور رسوائی کا باعث قرار دیا چاہے وہ قرض انفرادی طور پر ہو یا اجتماعی طور پر- بالخصوص آج کل کے حالات میں جب کہ قرضوں کی صورت میں بھاری سود ادا کر کے پورے ملک اور قوم کو گروی رکھا جا رہا ہے ، اس کی قباحت مزید بڑھ جاتی ہے - اپنے وسائل پر انحصار کرنے کے بجائے دوسروں کے سہارے زندہ رہنے والی قوم کبھی بھی خوشحال نہیں ہو سکتی -

اس صورت حال کا تدارک اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اپنے وسائل پر انحصار کرتے ہوئے ملکی معیشت کو اپنے پاؤں پر کھڑا کیا جائے اور غیر ملکی امداد کے بجائے خود انحصاری کا طریقہ اپنایا جائے اس کے لئے دو بنیادی اقدامات کی ضرورت ہے - ایک تو ملکی وسائل معیشت کو ترقی دینا اور دوسرا سادگی اور کفایت شعاری کی پالیسی اختیار کرنا -

(ج) وسائل معیشت کی ترقی کے ذریعہ اقتصادی پسماندگی کا خاتمہ :

تیسری دنیا کے ممالک کا اہم مسئلہ اقتصادی پسماندگی ہے چونکہ یہ ممالک جن میں بد قسمتی سے ہمارا ملک بھی شامل ہے ، طویل عرصے تک سامراجی اقوام کے غلام رہے ہیں

جنہوں نے ان کی اقتصادی ترقی کی طرف توجہ دینے کے بجائے ان کے وسائل کو اپنی ترقی اور خوشحالی کے لئے استعمال کیا اس لئے ان ممالک کی معیشت کی بنیادیں نہایت کمزور و ناتواں ہیں-اگر آزادی کے بعد بھی وہ اپنے وسائل پر انحصار کر کے ان کی ترقی کی طرف توجہ دیتیں تو آج وہ بھی ترقی یافتہ ممالک کی طرح ترقی کی منازل طے کر رہی ہوتیں -

معیشت کے وسائل یں زراعت اور صنعت و حرفت کو بڑی اہمیت حاصل ہے بلکہ معیشت کی ترقی کا مدار ہی ان پر ہے - حضور ﷺ کو ان کی اہمیت کا پورا پورا احساس تھا اس لئے آپ نے ان میں خاص خاص اصلاحات فرما کر ان کے فروغ کی ترغیب دی اور حوصلہ افزائی فرمائی - ان شعبوں کی ترقی سے متعلق آنحضرت ﷺ کی ہدایات کی طرف توجہ دے کر ہم اپنی معیشت کو مستحکم کر سکتے ہیں -

۱- زرعی ترقی :

کسی ملک اور قوم کی خوشحالی کا مدار اس کی زرعی ترقی پر ہوتا ہے - آپ ﷺ نے زراعت کو افضل ذریعہ معاش قرار دیا ہے ، اور اس کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا : " اطلبوا الرزق من خبایا الارض "(۵۸) (رزق کو زمین کی پنہائیوں میں تلاش کرو) خود آپ نے مقام 'جرف' میں کاشت فرمائی(۵۹) - آپ نے آلات زراعت کو گھروں میں بند رکھنے کو قوم کی ذلت و بدحالی قرار دیا(۶۰)، کیونکہ ان سے فائدہ نہ اٹھانے کی وجہ سے زراعت کی ترقی متاثر ہوگی اور معیشت تباہ ہو کر رہ جائے گی -

ہمارے ملک کی بیشتر آبادی کا روزگار زراعت سے وابستہ ہے اس کی طرف عدم توجہ کی بناء پر ہماری معیشت غیر مستحکم ہے اور غذائی اجناس کی قلت کی وجہ سے ہم جگہ جگہ سے بھیک مانگتے پھرتے ہیں اور کثیر زر مبادلہ ادا کر کے ان کو درآمد کرتے ہیں - اگر زرعی ترقی کی طرف توجہ دی جائے تو مہنگائی کم ہونے کے ساتھ ساتھ زرعی شعبہ سے وابستہ ملک کی اکثریت معاشی طور پر خوشحال ہو سکتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم بیرونی امداد کے

بندھنوں سے آزاد ہو سکتے ہیں - جو ہمارے آزاد وجود کے لئے خطرہ بنے ہوئے ہیں - زراعت کی ترقی کے لئے درج ذیل امور لائق توجہ ہیں -

۱- بنجر زمینوں کو قابل کاشت بنایا جائے اور انہیں کاشتکاروں میں مفت تقسیم کیا جائے- آنحضرت ﷺ نے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا " جس نے بنجر زمین کو آباد کیا وہ اس کی ملکیت ہے "[۶۱]- اس سلسلے میں آپ نے اور خلفاء راشدین نے " بنجر زمینیں" آباد کرنے کے لئے مختلف " قطائع" لوگوں میں مفت تقسیم کئے[۶۲]-

۲- نظام آبپاشی کی اصلاح و ترقی کی طرف توجہ دی جائے - بند تعمیر کئے جائیں اور مزروعہ زمینوں تک نہروں کا جال بچھایا جائے -

۳- زرعی ترقی کے لئے کاشتکاروں کو ہر طرح کی سہولتیں دی جائیں - مثلاً زرعی مقاصد کے لئے قرضوں اور آلات زراعت اور بیجوں کی معقول نرخوں پر فراہمی کا انتظام کیا جائے -

۲- صنعتی ترقی :

اقتصادی ترقی میں صنعت و حرفت کو بڑی اہمیت حاصل ہے - آنحضرت ﷺ نے اسے پاکیزہ ذریعہ معاش قرار دیا ہے[۶۳] - آپ نے اس شعبہ کی طرف متوجہ کرنے کے لئے کافی ترغیبات دیں - آج ہم اس شعبے سے غافل ہوکر سوئی سے لے کر ہوائی جہاز تک کے حصول کے لئے غیروں کے محتاج ہیں ، جب کہ اس شعبے میں ترقی کر کے ملکی پیداوار میں اضافے کے ساتھ ساتھ قومی آمدنی میں بھی اضافہ کیا جا سکتا ہے -

دور حاضر میں دفاعی قوت کا دارومدار بھی صنعتی ترقی پر ہے اور اس میدان میں ترقی کر کے ہم اسلام کی سربلندی اور ملک کے دفاع کا فریضہ سرانجام دے سکتے ہیں -

۴- تعلیمی ترقی :

معاشی اور سماجی ترقی میں تعلیم کا کردار بہت اہم ہے اور اسلام "علم نافع" کی تعلیم پر بہت زور دیتا ہے - دنیا بھر میں جو اہم تحقیقی کام ہوئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ زرعی اور صنعتی ترقی کی محرک تعلیمی ترقی ہے ، اس کے لئے نصاب تعلیم کو اس معیار پر لانا ہوگا کہ وہ مذکورہ مقاصد کے حصول میں مفید و معاون ہو سکے - تعلیمی انقلاب ہی کے ذریعہ معیشت ، معاشرت اور ثقافت کو استحکام اور ترقی حاصل ہو سکتی ہے -

(د) سادگی اور کفایت شعاری :

خود انحصاری کی پالیسی اپنانے ، اقتصادی محکومی سے بچنے اور ملکی معیشت کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے ہر سطح پر سادہ طرز معیشت اختیار کرنے کی ضرورت ہے ، تکلفات ، نمود و نمائش اور اسراف جیسی عادات بد میں گرفتار قوم کبھی غیروں کی غلامی سے آزاد نہیں ہو سکتی اور نہ ہی اس میں خود داری اور ملی شعور پیدا ہو سکتا ہے جو کسی قوم کو پستی اور پسماندگی سے نکال کر ترقی آزادی اور عزت نفس کی راہ پر گامزن ہونے کے لئے ضروری ہے- اسلام اسراف اور تبذیر سے منع کرتا ہے اور فضول مال ضائع کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیتا ہے(۶۴) -

حضور اکرم ﷺ اور خلفاء راشدین نے سادگی و خاکساری کی بہترین مثالیں قائم کی ہیں - خود کفالت اور خود انحصاری کے مقصد کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ سادہ طرز معیشت اختیار کرنے کے لئے عوامی اور سرکاری سطح پر تحریک چلائی جائے - سرکاری سطح پر منعقد کی جانے والی شاہانہ تقریبات بلا ضرورت اور بے مقصد سرکاری دوروں ، سرکاری عمارتوں کی آرائش و تزئین ، قیمتی گاڑیوں اور سامان تعیش پر پابندی لگائی جائے جن پر ملکی خزانے کا بڑا حصہ صرف ہوتا ہے اور صرف ضروری اخراجات پر روپیہ خرچ کیا جائے - شادی بیاہ وغیرہ کی فضول رسموں پر دولت کی نمائش کی حوصلہ شکنی کی جائے - عوام بھی اپنی رہائش ،

خوراک اور دیگر ضروریات زندگی میں سادگی کو فروغ دیں - اگر حکمران طبقہ لفظی اپیل کے بجائے عملاً خود سادہ طرز معیشت اختیار کر لے تو یقیناً عوامی زندگی پر بھی اس کے مثبت اثرات پڑیں گے -

(۴) دفاعی استحکام :

ملک کی سالمیت اور استحکام کے لئے جہاں داخلی انتظامات کی ضرورت ہوتی ہے وہاں بیرونی خطرات سے بچاؤ کے لئے بھی کچھ اقدامات کرنے پڑتے ہیں مثلا جنگی تیاریاں، فوجی تربیت ، اسلحہ اور ہتھیاروں کی تیاری اور ان کا حصول، دشمن کے مکروہ عزائم کو ناکام بنانے کے ساتھ ساتھ مضبوط ملکی دفاع جنگ سے بچنے کا بھی اہم ذریعہ ہے کیونکہ دفاعی اعتبار سے مضبوط ملک سے ٹکرانا خودکشی کے مترادف خیال کیا جاتا ہے - اسی لئے قرآن حکیم مین جنگی تیاری کا حکم دیا گیا ہے - " واعدوا لهم ما استطعتم"[۶۵] - اور دشمن سے بچاؤ اور حفاظتی اقدامات کی طرف اس آیت میں متوجہ کیا گیا ہے - " یا ایها الذین آمنوا خذوا حذرکم"[۶۶] (اے ایمان والو! اپنا بچاؤ کرو) اس میں صنعتی ، عسکری ، ایٹمی تنصیبات اور مواصلاتی نظام وغیرہ سب کی حفاظت شامل ہے - اس معاملے میں ذرا سی کوتاہی اور غفلت بہت بڑی تباہی کا پیش خیمہ بن سکتی ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے - " ودالذین کفروا لو تغفلون عن اسلحتکم وامتعتکم فیمیلون علیکم میلة واحدة"- (اور کافر لوگ چاہتے ہیں کہ تم کسی طرح اپنے ہتھیاروں اور اسباب سے بے خبر رہو تاکہ وہ یکبارگی تم پر حملہ کریں)

ان ہدایات کے ذریعہ مسلمانوں کو متوجہ اور متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنے دشمنوں سے ہمیشہ چوکنا اور ہوشیار رہیں بلکہ حالت جنگ میں رہیں -

ان حالات میں جب کہ ہمارا ملک چاروں طرف سے خطرات میں گھرا ہوا ہے - ہم ملک کی دفاعی بنیادوں کو مضبوط بنا کر ہی ان خطرات کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور اس کی سلامتی کو محفوظ بنا سکتے ہیں -

۱- جنگی تیاری اور طاقت کا استعمال :

قرآن حکیم نے دشمن کے مقابلہ اور دفاعی و حفاظتی انتظامات کے لئے قوت اور طاقت کے حصول کو ضروری قرار دیا ہے - ارشاد ربانی ہے :

" واعدوالهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبو ن به عدو الله و عدو كم" (۶۸)

(اور ان کے لئے جو قوت بھی تمہاری استطاعت میں ہو تیار رکھو اور سرحدوں کی حفاظت کے لئے گھوڑ سواروں کے دستے جس سے تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو ڈرا سکو)

اس آیت میں " قوۃ " کا لفظ ہر قسم کی طاقت اور جنگی مہارت کے حصول پر دلالت کرتا ہے - انہی ارشادات پر عمل کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ نے فنون حرب کو ترقی دی اور اپنے دور کے اہم ترین جدید ہتھیار استعمال کئے -

اس دور کے جدید ہتھیاروں میں سے ایک " دبابۃ" تھا ، یہ ایک خاص قسم کی گاڑی تھی جو تیر سے حفاظت کے لئے موٹا چمڑا منڈھ کر بنائی جاتی اور قلعہ شکنی کے لئے استعمال کی جاتی تھی(۶۹) جسے آج کے دور کا ٹینک کہا جا سکتا ہے - دوسری " منجنیق" تھی جس کے ذریعہ وزنی پتھر دشمنوں کی طرف برسائے جاتے تھے(۷۰) - اسے موجودہ زمانے کی توپ کہا جا سکتا ہے - اسی طرح " ضبر " دبابے ہی کی طرح کا ایک آلہ تھا- لکڑی پر کھال منڈھ کر اسے چھتری کی طرح بنایا جاتا تھا تاکہ پیٹھ کو تیر سے محفوظ رکھا جائے (۷۱) - نیز "حسک" ایک خاردار گھاس ہوتی تھی جسے قلعہ اور لشکر کے چاروں طرف بکھیر کر راستہ مخدوش کیا جاتا تھا(۷۲) - موجودہ دور کی بارودی سرنگیں اسی کی ترقی یافتہ شکل ہیں -

مقریزی نے لکھا ہے کہ آپ نے طائف کے قلعہ پر " منجنیق" نصب کی تھی(۷۳) اور قلعہ کے گرد حسک بکھیری تھی اور دو صحابہ کو شام کے شہر جرش میں دبابے، منجیق اور ضبور کی صنعت سیکھنے کے لئے بھیجا(۷۴)۔

آنحضرت ﷺ مختلف انداز میں جنگی تربیت حاصل کرنے کی ترغیب دلاتے تھے، لوگوں کو ورزش کی ترغیب دیتے۔ نشانہ بازی کی مشق کی تشویق دلاتے اور گھوڑ دور کے مقابلے منعقد کرواتے اور اول آنے والے گھوڑوں پر انعام دیتے تھے(۷۵)۔ آپ کا ارشاد ہے ۔" من علم الرمی ثم ترکہ فلیس منا"(۷۶) (جس نے تیر اندازی کی مشق سیکھ کر چھوڑی وہ ہم میں سے نہیں) نیز فرمایا کہ " اللہ تعالیٰ ایک تیر کے ذریعہ تین آدمیوں کو جنت میں داخل کرتا ہے ۔ بنانے والا جو طالب ثواب ہو، چلانے والا اور اٹھا کر دینے والا"(۷۷) ۔ اور یہی اجر و ثواب جدید جنگی ہتھیاروں، ٹینکوں، ہوائی جہازوں اور میزائیلوں کی تیاری اور استعمال پر بھی حاصل ہو سکتا ہے۔

۲۔ طاقت کا حصول جنگ سے بچنے کا بھی ذریعہ ہے :

دشمن کو بے بس اور مرعوب کرنے اور کشت و خون سے بچنے کا ایک حربہ طاقت کا حصول ہے تاکہ حریف دشمن مرعوب ہو کر مقابلہ کی ہمت ہی نہ ہو، قوت ختم ہو کر رہ جائے اور وہ مسلم ممالک کی پالیسیوں اور فیصلوں کو نظر انداز کرنے کی جرأت نہ کر سکیں ۔

عباسی دور کا ایک شاعر ابو فراس حمدانی اپنے قصیدہ میں کہتا ہے ۔

اذا ما ارسل الامراء جیشا الی الاعداء ارسلنا الکتابا

(یعنی ہماری دھاک کا یہ عالم ہے کہ جہاں دوسرے حکمرانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے لشکر بھیجنا پڑتا ہے وہاں ہم صرف خط بھیج دیتے ہیں اور وہی فیصلہ کرنے کے لئے کافی ہوتا ہے)

حقیقی قوت یہی ہے کہ اپنے آپ کو اتنا طاقتور اور مستحکم کیا جائے کہ جنگ کے بغیر محض وارننگ ہی سے اپنے مقاصد کو حاصل کر لیا جائے -

۳- مخبری اور جاسوسی کا انتظام :

دشمن کے جنگی منصوبوں ، ہتھیاروں اور جنگی صلاحیتوں سے بھی باخبر رہنا ضروری ہے تاکہ اس کا موثر توڑ اور دفاع ممکن ہو سکے - اس کے لئے مخبری اور جاسوسی کا موثر انتظام کیا جائے - آپ کی سیرت طیبہ سے اس اہم شعبہ کی تنظیم کا ثبوت ملتا ہے - آپ نے بہت سے لوگوں کو اس کام کے لئے مقرر فرمایا - بعض اوقات آپ ایک ایک مہم کے لئے متعدد جاسوسوں کو روانہ فرماتے تھے(۷۸) - مخبری اور جاسوسی کے لئے ایک مستقل متجسس کا تقرر بھی آپ نے فرمایا تھا جس کا کام یہ تھا کہ مخالفین ریاست کی دشمنانہ سرگرمیوں کی اطلاع بہم پہنچائے (۷۹)۔

آج کے جدید سائنسی دور میں دیگر شعبوں کی طرح جاسوسی کا نظام بھی جدید سائنسی بنیادوں پر ترقی یافتہ اور وسعت پذیر ہو چکا ہے - آج ترقی یافتہ ممالک سیٹلائٹ اور مصنوعی سیاروں کے ذریعہ مختلف ممالک کی خفیہ سرگرمیوں پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے ہیں اور ان کے دفاعی اور جنگی رازوں سے مطلع ہو رہے ہیں - اس میدان میں ترقی کر کے ہی ہم دشمن کے عزائم کو ناکام بنا سکتے ہیں -

۴- نوجوانوں کی لازمی جنگی تربیت اور دفاعی اخراجات میں کمی :

ملک کے دفاع کو مضبوط کرنے کے لئے نوجوانوں کی لازمی فوجی تربیت بھی ضروری ہے - ملک کے تمام بالغ افراد پر مشتمل ایسی ریزرو فوج ہونی چاہئے جو جدید ہتھیاروں کو بخوبی استعمال کر سکتی ہو اور امن و جنگ میں ملک کے دفاع کی صلاحیت رکھتی ہو - عہد نبوی کے طرز عمل سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے - ریاست مدینہ میں فوج کا کوئی مستقل اور علیحدہ ادارہ موجود نہ تھا بلکہ ہر ایک مسلمان کے لئے اسلامی مملکت کا دفاع فرض تھا - اور جوانوں کے

لئے فوجی تربیت ضروری تھی ، گھوڑ سواری ، تیر اندازی ، نیزہ بازی اور شمشیر زنی کی مشقیں ہوتی تھیں - مسلمان اسے اپنا دینی فریضہ سمجھ کر فنون حرب میں مہارت حاصل کرتے اور جہاد میں شریک ہوتے تھے - مجاہدین کو اکٹھا کرنے کے لئے ایک منادی آواز لگا تا تھا - " یا خیل الله ارکبی و بالجنة ابشری " (اے اللہ کے شہسوارو ! جہاد کے لئے سوار ہو جاؤ اور جنت کی خوشخبری سنو) تو سب لوگ جہاد کے لئے دوڑ پڑتے تھے -

عوام کو لازمی فوجی تربیت دے کر ہم لاکھوں نوجوانوں پر مشتمل فوج تیار کر سکتے ہیں جو ہمارے دفاعی اخراجات کو کم کر کے معیشت کو متوازن بنا سکتی ہے کیونکہ ہمارے بجٹ کا زیادہ تر حصہ دفاع پر خرچ ہوتا ہے اور لازمی تربیت سے فوج پر خرچ ہونے والے اخراجات کو کم کر کے اقتصادی ورت حال کو بہتر بنایا جا سکتا ہے - مگر یہ خیال رہے کہ یہ تربیت محض رسمی نہ ہو بلکہ جدید خطوط پر مکمل فوجی تربیت دی جائے اس طرح یہ ملک عظیم ترین فوجی قوت بن سکتا ہے -

۵- دفاعی اور صنعتی میدان میں خود کفالت اور جدید ٹیکنالوجی کا حصول :

آج کا دور سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے اور حقیقت یہ ہے کہ آج نہ صرف فوجی سازوسامان کی تیاری بلکہ دیگر تمدنی لوازم بھی سائنس اور ٹیکنالوجی کی رہین منت ہیں اور اس میدان میں کسی ملک اور قوم کا محتاج ہونا اور دوسروں کا دست نگر بنے رہنا اس کی سیاسی غلامی سے بھی زیادہ بدتر ہے کیونکہ اس صورت میں اپنی ضروریات کی فراہمی کے لئے بڑی طاقتوں کا دست نگر بن کر ان کی من مانی شرائط کو تسلیم کرنا پڑتا ہے - " ترهبون به عدو الله" کا مقصد بھیک کے چند ہتھیاروں کو جمع کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتا ، اس کے لئے بذات خود جدوجہد اور خود کفیل بننے کی ضرورت ہے تاکہ بڑی طاقتوں کے چنگل سے نکل کر ایک آزاد اور خود مختار قوم کی حیثیت سے زندہ رہ سکیں - اس معاملہ میں آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ سے بھی ہمیں رہنمائی ملتی ہے کہ آپ نے دو صحابیوں حضرت عروہ بن مسعودؓ اور حضرت غیلان بن سلمةؓ کو شام کے شہر " جرش " میں دبابے ، منجیق اور ضبور کی صنعتیں سیکھنے کے

لئے بھیجا تھا" (۸۰)۔

آنحضرت ﷺ کے اس طرز عمل سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ ہم اپنے ملک کو جنگی اسلحہ میں اس حد تک خود کفیل بنائیں کہ دوسروں کے محتاج اور دست نگر نہ رہیں اسی لئے آپ نے مذکورہ جنگی سامانوں کی خریداری کے بجائے خود اس صنعت کے سیکھنے اور اس میں مہارت حاصل کرنے کو مناسب خیال فرمایا۔

۶۔ مسلم ممالک سے دفاعی معاہدے :

مغرب کی سازشوں کے نتیجہ میں آج عالم اسلام منتشر ہے ، وہ اپنی دفاعی ضروریات کے پیش نظر طاقتور غیر مسلم ممالک سے دفاعی معاہدے کرنے پر مجبور ہے اور وہ ان کی صفوں میں انتشار پیدا کر کے اور باہم لڑا کر ان کے وسائل کو بے دردی سے لوٹ رہا ہے - اگر مسلمان ممالک متحد ہو کر باہمی دفاعی معاہدے کریں اور اپنے وسائل کو اپنے دفاع پر صرف کریں تو وہ ہر قسم کے خطرات سے اپنے آپ کو بچا سکتے ہیں - ہمیں یہ نہ بھولنا چاہئے کہ کفار مسلمانوں کے کبھی بھی ہمدرد و خیر خواہ نہیں ہو سکتے ، اسی لئے قرآن حکیم ان کے ساتھ دوستی لگانے سے منع کرتا ہے" اور ان کو "عدوی و عدوکم" کہہ کر ہوشیار کرتا ہے کہ وہ تمہارے بھی اور میرے بھی دشمن ہیں ، اس لئے ان سے خیر کی توقع محال ہے -

۷۔ غیر مسلم ممالک سے تعلقات :

اسلام غیر مسلموں سے تعلقات و روابط قائم کرنے سے مطلق منع نہیں کرتا بلکہ ان کو اپنا ہمراز بنانے ، قلبی دوستی اور محبت رکھنے اور ان پر اعتماد اور بھروسہ کرنے سے منع کرتا ہے - عام دنیاوی معاملات میں ان کے ساتھ لین دین اور تجارت وغیرہ میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اس سے ملک و ملت کے مفاد کو کوئی نقصان نہ پہنچتا ہو -

آنحضرت ﷺ بیرونی ممالک سے روابط مستحکم کرنے کے لئے ماہر سفراء کا تقرر فرماتے تھے اور اس مقصد کے لئے دوست اور دشمن ممالک اور حکمرانوں کو تحفے تحائف ارسال

کرنے کا بھی ثبوت ملتا ہے - مگر ایسا کوئی طرزِ عمل اختیار نہ کرنا چاہیئے جس سے ملک کی عظمت اور وقار پر کوئی حرف آتا ہو -

یہ چند نکات ہیں جو ملک کی ترقی و استحکام کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ اور آپ کی عطا کردہ تعلیمات کی روشنی میں پیش کئے گئے ہیں -

موجودہ حالات میں جب کہ ہم زندگی کے تمام شعبوں میں زوال کا شکار ہو کر اور مسائل کے گرداب میں گھر کر خطرات سے دوچار ہیں، ملک و ملت کی کشتی کو منجدھار سے نکال کر اور تلاطم خیز طوفانوں سے بچا کر سالمیت اور عافیت کے کنارے تک پہنچانا وقت کی اہم اور نازک ترین ذمہ داری ہے ، جس کے لئے ملک کے تمام طبقوں ، بالخصوص ارباب اقتدار، ، علماء اور دانشوروں کو آگے بڑھنا ہوگا - ہمیں یہ حقیقت نہیں بھولنی چاہیئے کہ مملکت کی بقاء کے ساتھ ہماری بقاء وابستہ ہے اور اس کی بقاء ملکی اور فکری سرحدوں کی سالمیت پر منحصر ہے- آیئے ہم عہد کریں کہ ہم اپنی ساری کوششیں اور توانائیاں اس ملک کو بچانے ، اس میں شریعت اسلامی کی بالادستی کو قائم کرنے اور اسے ہر شعبہ حیات میں نافذ کرنے میں صرف کریں گے -

بیاتاگل برافشانیم و مے درساغر اندازیم — فلک را سقف بشگافیم و طرح نودراندازیم

اگر غم لشکر انگیزد کہ خون عاشقاں ریزد — من و ساقی بہم سازیم و بنیادش براندازیم

تعلیقات و حواشی

۱- الحشر : ۲

۲- النحل : ۱۱۲

۳- یونس : ۱۴

۴- آل عمران : ۱۰۳

۵- البقرۃ : ۲۱۳

۶- الانفال : ۴۶، آل عمران : ۱۰۵

۷- الحجرات : ۱۱، ۱۲

۸- الصحیح البخاری : کتاب الادب ، باب رحمة للناس

۹- ایضا - کتاب الادب ، باب تعاون المومنین بعضهم بعضاو صحیح مسلم، کتاب البر والصلة-
باب تراحم المومنین و تعاطفهم

۱۰- مسلم : کتاب الامارۃ والقضاء

۱۱- ان تنازعات کی تفصیلات کے لئے دیکھیے -
جواد، احمد " ایام العرب فی الجاهلیة " قاہرۃ ۱۹۴۲ء نیز دیکھیے : آلوسی ، محمود شکری : " عاذات العرب فی جا هلیتهم" - بیروت ۱۹۲۴ء-

۱۲- صحیح بخاری : باب ذکر النهی دعوة الجاهلیة

۱۳- سنن ابی داود : کتاب الادب، باب فی العصبیة

۱۴- دیکھیے - البقرۃ : ۱۱۳

۱۵- آل عمران : ۷۵

۱۶- آل عمران : ۱۵۹

۱۷- النحل : ۱۲۵

۱۸- الانعام : ۱۰۹

۱۹- انعام : ۱۶۰

۲۰- السهیلی: " روض الانف " شرح السیرة النبویة لابن هشام - طبع مصر ۱۳۳۲ھ ج ۱ ص ۹۱

۲۱- دیکھئے - ابن کثیر "السیرة النبویة" مصر ۱۹۶۵ء - نیز ابن سعد : الطبقات الکبریٰ - بیروت ۱۹۶۰ء ج ۱ ص ۸۲

۲۲- دیکھئے - تاریخ طبری، ج ۴ ص ۲۴۹

۲۳- مسند احمد بن حنبل، ج ۱ ص ۶

۲۴- دیکھئے آیات - مائدہ : ۳۳، ۳۸ - البقرۃ : ۱۷۸-۱۷۹ النور : ۲، ۴ وغیرہ

۲۵- کتانی : "التراتیب الاداریة والعمالات ولصناعات والمتاجر والحالة العلمیة التی کانت علی عهد تاسیس المدینة الاسلامیة فی المدینة المنورة العلیة" - رباط ۱۳۴۶ھ ج الف ص ۳۶۱

۲۶- دیکھئے ایضا ج الف ص ۲۹۵- ۳۰۰

۲۷- بخاری - کتاب الاحکام - باب مایکره من الحرص علی الامارة

۲۸- بخاری، کتاب الاحکام - باب هدایا العمال

۲۹- جعفری، رئیس احمد "اسلامی جمہوریت" ثقافت اسلامیہ، لاہور ۱۹۶۸ء ص ۱۴۲

۳۰- النساء : ۵۸

۳۱- المائدہ : ۸، الانعام : ۱۵۲

۳۲- تفصیل دیکھئے - محمد بن عرنوس : "تاریخ القضاء فی الاسلام - مصر ص ۳۵- نیز دیکھئے - قطب شہید : العدالة الاجتماعیة فی الاسلام - طبع مصر ص ۲۵۵

۳۳- بخاری - باب کراهة الشفاعة فی الحدود اذا ارفع الی السلطان

۳۴- بخاری : کتاب الشرکة - باب هل یقرع فی القسمة والاستهام فیه

۳۵- آل عمران : ۱۵۹

۳۶(ا)- ابن قیم : زاد المعاد، ج ۲ ص ۱۸۷

۳۶(ب)- صلح حدیبیہ کا واقعہ اس کی اہم دلیل ہے -

۳۷- دیکھئے آیات - النور : ۵۵، البقرۃ : ۲۴۷، ص : ۲۰ وغیرہ

۳۸- دیکھئے، ابن العابدین : رد المختار ج ۱ ص ۵۱۲

۳۹- ابن طقطقی : "الفخری" - اردو ترجمہ - جعفر شاہ پھلواروی- ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور - ۱۹۸۱ء ص ۳۸

۴۰- بخاری - کتاب الاحکام - باب السمع والطاعة للامام

۴۱- ایضا

۴۲- سیوطی : تاریخ الخلفاء - نور محمد کتب خانہ - کراچی ص ۶۹

۴۳- طرطوشی : سراج الملوک "طبع مصر ص ۱۵۰

۴۴- بخاری - کتاب الاحکام - باب من استرعی رعیة فلم ینصح

۴۵- دیکھئے ترمذی - ابواب الاحکام

۴۶- مشکوۃ المصابیح - باب الامارۃ والقضاء

۴۷- مسلم ج ۲ ص ۲۹۴

۴۸- بخاری : باب رزق الحکام والعاملین علیها -

۴۹- الحشر : ۷

۵۰- اس موضوع کی تفصیل کے لئے دیکھئے -

ANTHONY HARRISON "THE FRAME WORK OF ECONOMIC ACTIVITY" میکملن اینڈ کمپنی

۵۱- دیکھئے GENERAL THEORY OF INTEREST,MONEY AND EMPLOYMENT BY KEYNES

لارڈ کینز کے علاوہ مغرب کے ماہر معاشیات TOWARDS A DYNAMIC ECONOMIC میں بلا سودی معیشت کے نظریہ پر عمدہ بحث کی ہے -

۵۲- البقرۃ : ۲۷۵

۵۳- البقرہ : ۲۷۹

۵۴- بحوالہ مجلہ " المعارف " - شمارہ جولائی- ستمبر ۱۹۹۵ء ادارہ ثقافت اسلامیہ - لاہور ص ۳۸

۵۵- الطلاق : ۳

۵۶- حمید اللہ ، ڈاکٹر " محموعه الوثائق السیاسة ، قاہرۃ ۱۹۴۱ء ص ۴۰، ۶۲، ۶۴،۶۳، ۷۰، ۷۱، ۷۸، ۷۹

۵۷(ا)- مسلم : کتاب المساقاۃ والمزارعة

۵۷(ب)-بخاری ، باب من استعاذ من الدین

۵۸- ابن کثیر ، البدایة ، ج ۷ ص ۳۵

۵۹- سرخسی : المبسوط ، مطبعة السعادۃ - مصر ۱۳۳۱ھ ج ۲۲ ص ۲

۶۰- صحیح بخاری ، ابواب الحرث والمزارعة - باب مایحذر من عواقب الاشتغال بالة الزرع -

۶۱- ابو یوسف " کتاب الخراج " المطبعة السلفیہ - قاہرہ ۱۳۵۲ھ ، ص ۶۴

۶۲- دیکھئے - محموعة الوثائق السیاسة ص ۴۳-۴۵، ۷۳، ۷۴، ۱۳۷، ۱۶۵

۶۳- مشکوۃ المصبیح - باب الکسب وطلب الحلال

۶۴- الاسراء : ۲۷

۶۵- الانفال : ۶۰

۶۶- النساء : ۷۱

۶۷- النساء : ۱۰۲

۶۸- الانفال : ۶۰

۶۹- السہیلی- روض الانف ، فصل ذکر تعلیم اهل الطائف - نیز البدایة والنهایة - ج ۴ ، ص ۳۴۸

۷۰- ایضاً

۷۱- ایضاً

۷۲- ایضاً - نیز مقریزی : امتاع الاسماع حصن الطائف ، ص ۴۱۸

۷۳- مقریزی - ص ۴۱۸

۷۴- البدایة والنهایة ج ۴ ص ۳۴۵

۷۵- حمیداللہ ، ڈاکٹر " خطبات بہاولپور" - اداره تحقیقات اسلامی ۱۹۸۵ء ص ۲۴۲

۷۶- مسلم و مشکوۃ المصابیح ، باب اعداد والة الجهاد -

۷۷- ترمذی ، ابن ماجة و مشکوۃ المصابیح - باب اعداد والة الجهاد

۷۸- مثلاً دیکھئے بخاری - کتاب المغازی

۷۹- التراتیب الاداریة - ج ۱ ص ۳۶۱

۸۰- البدایة والنهایة ج ۴ ص ۳۴۵

۸۱- المائدة : ۵۱

۸۲- الممتحنة : ۱

۸۳- ابن سعد - الطبقات الکبری ، ج ۱ ص ۲۶۲، نیز التراتیب الاداریه ، ج ۱ ص ۱۹۸

☆☆☆☆☆